رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا تھا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد نے جاسوس روانہ کیے کہ غنیم کی خبر لائیں۔ انھوں نے آکر بیان کیا کہ رستم (جو فرخ زاد کا بیٹا اور آرمینیہ کا رئیس ہے) سپہ سالار مقرر ہوا ہے۔ اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کیے۔ جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن حسان۔ عاصم بن عمرو۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قد و قامت اور ظاہری رعب داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویہ۔ حنظلہ بن الربیع تمیمی۔ فرات بن حیان عجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ۔ عقل و تدبیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

مدائن کہ پایۂ تخت تھا۔ قدیم زمانے میں اصطخر تھا لیکن نوشیروان نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اور اس وقت سے وہی پایۂ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفرا گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزرتے تھے تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ [illegible] کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ [illegible] ان کی [illegible] یہ تھی کہ [illegible] ان کے چہروں سے [illegible] تھی [illegible] ان سے نکلی جاتی تھی

اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے، چنانچہ ٹاپون کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی، اور اُس نے دریافت کیا کہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہین۔ یہ سنکر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سفرا کو طلب کیا، یہ لوگ عربی جُبّے پہنے کاندھون پر یمنی چادرین ڈالے ہاتھون مین کوڑے لیے موزے چڑھائے دربار مین داخل ہوئے۔ پچھلے معرکون نے تمام ایران مین عرب کی دھاک بٹھا دی تھی۔ یزدگرد نے سفیرون کو اس شان سے دیکھا تو اُسپر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی مین چادر کو کیا کہتے ہین؟ انھون نے کہا بُرد۔ اُس نے (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا کہ "جہان بُرد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگون نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند"۔ ان بدفالیون پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہین کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا، کہ تم اس ملک مین کیون آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزین پیش کرتے ہین جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تمکو یاد نہین کہ تمام دنیا مین تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی، تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمیندارون کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اِس پر سب نے سکوت کیا لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کرسکے اور اُٹھکر کہا کہ "یہ لوگ (اپنے رفیقون کی طرف اشارہ کرکے) رؤساے عرب ہین اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی

نہین کر سکتے۔ انھون نے جو کچھ کہا ہی نہ یا تھا نہین کہنے کے قابل باتین رہ گئین انکو مین
بیان کرتا ہون، یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت و گمراہ تھے آپس مین کٹتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیونکو
زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن خداے تعالیٰ نے پھر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب نسب مین ہم سب سے
ممتاز تھا، اوّل اوّل ہمنے اُسکی مخالفت کی، وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے، وہ آگے بڑھتا تھا
تو ہم پیچھے ہٹتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اسکی بات نے دلون مین اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے
حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا اس نے ہمکو حکم دیا کہ اس مذہب
کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لاوین وہ تمام حقوق مین ہم سے برابر ہین جنکو
سلامت [illegible] مین وہ اسلام کی حمایت مین [illegible] دونون باتون
[illegible] سے بیتاب ہوگئے [illegible] کا قتل
جائز ہوتا تو ہم مین سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ [illegible] ہم مین سب
معزز کون [illegible] نے [illegible] سر پر [illegible]۔ وہ [illegible]
[illegible] مبارک [illegible] مین [illegible]
[illegible] دونون [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہین، چار ناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گذری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیان کین۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیان کرتے تھے اور لوگون کے ناموس تک کا لحاظ نہین رکھتے تھے، ان باتون نے عام ملک مین یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجین جب ون ساباط سے بڑھین، سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ دم دم کی خبرین پہنچتی رہین۔ فوج کا رنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ اتارے کا رُخ۔ اِن باتون کے دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے، اس مین کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ رات کے وقت رستم کے لشکر مین لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اس عرصے مین لوگ جاگ اُٹھے اور انکا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا، اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اُس نے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ اُنھون نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انھون نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو اور سوار تھے ان مین سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ مین قیدی بنکر ساتھ چلتا ہون۔ اتنے عرصے مین تمام فوج مین ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے

سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔ شاق گیری کی زرہ بنائی اور رسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سر و سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زرین گاؤ تکیے۔ حریر کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اسکی انی کو فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ بیش قیمت فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے۔ جا بجا سے

کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا۔ جو فرش کو پار کر کے زمین مین گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک مین کیون آئے ہو؟ انھون نے کہا" اس لیے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے"۔ رستم نے کہا مین ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دون گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر ان کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے ؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھون مین بجلی سی کوندگئی۔ اور جب اس کے کاٹ کی آزمایش کے لیے ڈھالین پیش کی گئین تو ربعی نے انکے ٹکڑے اڑا دیے۔ ربعی اسوقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت مین مغیرہ گئے، اُس دن ایرانیون نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج زر پہنکر کرسیون پر بیٹھے۔ خیمے مین دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دورویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہوگیا۔ یہان تک کہ چوبدارون نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ مین خود نہین آیا بلکہ تمنے بلایا تھا اس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمھاری طرح ہم لوگون مین یہ دستور نہین کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائین،، مترجم نے جس کا نام عبود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی، میں نے ایسا حکم نہ تھا، پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لَو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے انکی تلوار کا نیام دیکھکر کہا کس قدر بوسیدہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں لیکن تلوار پر ابھی باڑھ رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھکر کہا کہ "اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا"۔ رستم غصے سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دونگا۔ مغیرہ اٹھکر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ کی جنگ اور فتح

محرم سنہ ۱۴ ہجری

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ بیچ میں نالہ تھا حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر [illegible] صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نے اس [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] زرہیں پہنیں سر پر خود [illegible] ہتھیار لگائے [illegible] قبضے [illegible] پہنے

پھر اسپ خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش مین کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کر دون گا" کسی سپاہی نے کہا۔ ہان اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفین قائم کین۔ قلب کے پیچھے ہاتھیون کا قلعہ باندھا، ہودجون اور عماریون مین ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیون کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقعِ جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقعِ جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ مین ایک قدیم شاہی محل تھا۔ جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا، سعد کو چونکہ عرق النسا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیے فوج کے ساتھ شریک نہو سکے بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا، تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے، یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچون پر لکھکر اور گولیان بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے، اور خالد اُنہی ہدایتون کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے مین فنِ جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزیِ طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجین آراستہ ہو چکین تو عرب کے مشہور شعرا اور خطیب صفون سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج مین آگ لگا دی۔ شعرا مین شماخ۔ حطیئہ۔ اوس بن مغرا۔ عبدہ بن الطبیب، عمرو معدی کرب۔ اور خطیبون مین قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی۔ بسر بن

ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض فقرے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاشر معد اجعلوا حصونکم السیوف — خاندان معد! تلوار کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر

وکونوا علیھم کاسود الاجم وادرعوا العجاج — جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو۔ جب تلواریں

وغضوا الابصار واذا کلت السیوف فارسلوا — تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو

الجنادل فانھا یؤذن لھا فیما لا یؤذن للحدید — جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس کی تاثیر سے دل ہل گئے۔ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی جو قد و قامت میں ... زیور کی قبا زیب بدن کئے۔ زرین کمربند لگائے۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو معدیکرب اس کے مقابلے کو نکلے اس نے کمان میں چلہ جوڑ کر ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دبا کر قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر معلق اٹھا لیا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہر شخص معدیکرب کیونکر ہو سکتا ہے اس کے بعد ... اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ

شروع ہوئی، ایرانیون نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب مین ممتاز تھا ہاتھیون کو ریلا۔ عرب کے گھوڑون نے یہ کالے پہاڑ کہان دیکھے تھے۔ دفعتًہ بدکے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیون کے ریلے مین انکے پانون بھی اکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھکر فورًا قبیلۂ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیون سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھکر تم سے مدد مانگی ہے"۔ تمام قبیلے نے جوش مین آکر باگین اٹھائین اور ہاتون مین برچھیان لیکر ہاتھیون پر حملہ آور ہوئے، انکی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیون نے بجیلہ کو چھوڑکر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلۂ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی مین مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیون کی کچھ تدبیر نہین ہو سکتی؟ یہ سنکر وہ دفعتًہ بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینون کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچکر تمام ہودے اور عماریان الٹ دین۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونون حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی مین اس کو یوم الارماث کہتے ہین۔

سعد جس وقت بالاخانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے، انکی بی بی سلمٰی بھی انکے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیون نے جب ہاتھیون کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے، اور بار بار کروٹین بدلتے تھے۔ سلمٰی یہ حالت دیکھکر بے اختیار چلّا اٹھی کہ "افسوس آج مثنّٰی نہ ہوا"۔ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "مثنّٰی ہوتا تو کیا کر لیتا"، سلمٰی نے کہا "سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی!" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی مین شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدانِ جنگ سے مقتولون کی لاشین اٹھوا کر دفن

کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو بندی کا حکم دیا لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں حضرت عمر نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابوعبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیجی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعد کے بھائی سپہ سالار تھے۔ مقدمۃ الجیش قعقاع کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ لینا ابوعبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے۔ دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہریار عمرو بن شعبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ غرض جنگ کے عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج کے کئی سپہ سالار اور بہادر کام آ چکے تھے اس کے بعد زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔

ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا، یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامۂ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمر التیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلۂ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آ کر فی البدیہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم ۔۔۔ اذا حصلوا بالمرھفات البواتر

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں ۔۔۔ جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا، ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے۔ اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا، قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے، اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لونگا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار

پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا	واترک مشدودا علی وثاقیا
اس سے بڑھکر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں	اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں
اذا قمت عنانی الحدید و غلقت	مصاریع من دونی تصم المنادیا
جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی	[illegible]

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں۔ انھوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر برچھے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ دشمن کے میمنہ تک کا چکر لگایا اور پھر [illegible] اس شوکت سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے [illegible] تمام فوج متحیر تھی [illegible] سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ انداز تو ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانہ میں ہیں۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانہ میں آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا خدا کی قسم آج سے میں بھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خنساء [illegible] ایک مشہور شاعرہ تھیں [illegible] اس معرکے میں شریک تھیں [illegible] اور ان کے چار بیٹے

[illegible]

بھی ساتھ تھے، لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا

لم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنۃ پیارے بیٹو تم اپنے ملک کو دو بھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا

ثم جئتم بامکم عجوز کبیرۃ فوضعتموھا بین باوجود اسکے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے

ایدی اھل فارس واللہ انکم لبنو رجل واحد کما آگے ڈالدیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسیطرح

انکم بنو امرأۃ واحدۃ ما خنت اباکم ولا فضحت ایک باپ کے بھی ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں

خالکم انطلقوا فاشھدوا اول القتال و آخرہ کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اور اخیر تک لڑو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے

تو **خنساء** نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا "خدایا۔ میرے بیٹوں کو بچانا"

اِس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست

کا کچھ فیصلہ نہوا۔ یہ معرکہ **اغواث** کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اِس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات

کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔

پو پھٹے سو۔ سو۔ سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اُڑاتے ہوئے آئیں۔ اور اور رسالے

اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا

اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں، ساتھ ہی حملہ ہوا حسنِ اتفاق یہ کہ ہشام جنکو ابو عبیدہ نے

شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ **یزدجرد**

کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور

کہا تمہارے بھائیون نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے
وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یون ہوا کہ ایرانیون کی فوج
سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان مین آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھکر لوگ اسکے
مقابلے سے جی چراتے تھے لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے
مارا گیا۔ ایرانیون نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیون کے دامن مین پیدل فوجین تو مقرر کردی تھین
عمرو معدی کرب نے رفیقون سے کہا مین مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہون تم ساتھ رہنا ورنہ
عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہکر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی
پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجین جو دامن مین تھین دفعتہً اُن پر ٹوٹ پڑین اور اس قدر گرد اٹھی
کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھکر رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن
پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا بدن پر جا بجا برچھیون کے
زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضہ مین تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت مین ایک ایرانی سوار برابر سے
نکلا۔ انہون نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے
ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھکر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہین ادھر کا دل چھٹ جاتا ہے ضخم و
سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلا کا کیا علاج ہے
انہون نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھین بیکار کر دیجائین۔ تمام غول مین دو ہاتھی نہایت مہیب
اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیون کے سردار تھے۔ ایک سفید تھا اور دوسرا جرب کے نام سے مشہور تھا

سعد نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمھارے ہات ہی۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجدیے کہ ہاتھیون کو نرغہ مین کرلین، پھر خود برچھا ہاتھ مین لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے، دونون نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھون مین پیوست ہوگئے ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہوگئی، ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہولیے اور دم کی دم مین یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادرون کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعرون کی گرج سے زمین دہل پڑتی تھی، چنانچہ اسی مناسبت سے اِس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہین ایرانیون نے فوج نئے سر سے ترتیب دی۔ قلب مین اور دائین بائین تیرہ تیرہ صفین قائم کین مسلمانون نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سوارون کا رسالہ اُنکے بعد پیدل فوجین اور سب سے پیچھے تیرانداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے، لیکن ایرانیون نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی مین داخل تھی تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھکر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللھم اغفرلہ ونصرہ، یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھکر بنو اسد، اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی۔ نخع۔ بجیلہ۔ کندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اوّل اوّل سوارون کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجین جو دیوار

کی طرح جمی کھڑی تھین اس ثابت قدمی سے لڑین کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے یہ دیکھکر سب گھوڑون سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیون کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے مین غرق تھا قبیلہ جعفی نے اُسپر حملہ کیا لیکن تلوارین زرہون پر اُچٹ اُچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے للکارا سب نے کہا زرہون پر تلوارین کام نہین دیتین اُس نے غصے مین آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھکر اورون کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہوگیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہوگئے تھے اور نیند کے خمار مین ہاتھ پاؤن بیکار ہوئے جاتے تھے۔ جب پہ بھی صبح فتح و شکست کا فیصلہ نہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل مین سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج عجم کی طرف رُخ کیا ساتھ ہی قیس اشعث، عمرو معدی کرب، ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے اپنے ساتھیون کو للکار کر کہا دیکھو یہ لوگ خدا کی راہ مین تم سے آگے نکلنے نپائین اور سردارون نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلون کے سامنے کھڑے ہوکر اس جوش سے تقریرین کین کہ تمام لشکر مین ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑون سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلوارین کھینچ لین۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیرزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا یہ حالت دیکھکر تخت سے کود پڑا۔ اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخمون سے بالکل چور ہوگیا تو بھاگ چلا۔ ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے

آگئی۔ رستم کو دیڑا کہ تیر کر نکل جائے، ساتھ ہی ہلال بھی کود ے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے
پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچروں کے پانوں مین ڈال دی اور تخت
پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا مین نے خاتمہ کر دیا[1]" ایرانیون نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے
خالی تھا، تمام فوج مین بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانون نے دور تک تعاقب کیا۔ اور ہزارون
لاشین میدان مین بچھا دین۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل
غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکردار رعد | زیک سوی رستم زیک سوی سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت | جوان مرد تازی برو چیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہین کہ سعد اس واقعہ مین سر سے شریک ہی نہ تھے۔
شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستون کے مالک تھے، میدان مین ثابت قدم
رہے۔ ان مین سے شہریار، ابن الہربذ۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ھمدانی نے مردانہ جان
دی۔ لیکن ہرمزان۔ اہود۔ قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیون کے کشتون کا تو شمار نہ تھا،
مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح مین چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے، فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی

---

[1] علامۂ بلاذری نے لکھا ہو کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہین۔ لیکن عمرو معدی کرب، طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح
ان تینون نے اس پر حملہ کیا تھا" مین نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہی۔

یہان تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقاتلت حتی انزل الله نصره ۔ وسعد بباب القادسیة معصم

یعنی برابر لڑا کیا یہان تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی ۔ [illegible] قادسیہ کے [illegible]

فابنا وقد امت نساء کثیرة ۔ ونسوة سعد لیس فیہن ایم

ہم واپس چلے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوچکی تھیں ۔ لیکن سعد کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

جس کا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! مین بادشاہ نہین ہون - کہ تمکو غلام بنانا چاہون، مین خود خدا کا غلام ہون، البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے - اگر مین اس طرح تمہارا کام کرون کہ تم چین سے گھرون مین سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے - مین تمکو تعلیم دینا چاہتا ہون لیکن قول سے نہین بلکہ عمل سے"

قادسیہ کے معرکے مین جو عجم یا عرب مسلمانون سے لڑے تھے ان مین ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہین چاہتے تھے - بلکہ زبردستی فوج مین پکڑ آئے تھے - بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے - فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی - سعد نے دربار خلافت کو لکھا - حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی - اور سب نے بالاتفاق منظور کیا - غرض تمام ملک کو امن دیا گیا - جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہوتے گئے - رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگون نے ان مین رشتہ داریان کرلین -

ایرانیون نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل مین مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لیے تھے - اور فیروزان کو سرلشکر قرار دیا تھا - سعد نے ان کے استیصال کے لیے ۱۵ ہجری مین بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے - کہ راستہ صاف کرتے جائین - چنانچہ مقام برس مین بصیری سدّ راہ ہوا - اور میدان جنگ مین زخم اٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا - برس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا، صلح کرلی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیے کہ اسلامی فوجین بے تکلف گذر جائین، بابل مین اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان، ہرمزان - مہران - مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن

پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود [illegible] میں مقام کیا [illegible] زہرہ کی [illegible] میں کچھ فوجیں
آگے روانہ کیں عجمی فوجیں [illegible] سے بھاگ کر [illegible] میں [illegible] تھیں [illegible]
ان کا سپہ سالار [illegible] تھا۔ زہرہ کو [illegible] سے [illegible] مقابل ہوا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لوگوں کی آنکھوں میں زمانے
[illegible] کی تصویر پھر گئی۔

[illegible]
[illegible]
[illegible] تخت کے قریب [illegible] مقام
تھا [illegible] سلطنت [illegible]

کبھی زوال نہین آسکتا"، یہان ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسرے سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لیے
اِس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول
کے افسر تھے اِس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اِس بہادری پر انکی
پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھکر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے اِدھر اُدھر پھیل کر ہزارون آدمی
گرفتار کر لیے۔ شہر زاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہین ان کے قید کرنے
سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے اُن کے نام دفتر مین درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسون
نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے
نکلکر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش خروش سے سب نے مرنے پر کمرین باندھین
اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکون
مین سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ انکی زرہ کی کڑیان کہین کہین سے ٹوٹ گئی تھین لوگون نے
کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجیے۔ بولے کہ مین ایسا خوش قسمت کہان ہون کہ دشمن کے تیر
سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئین۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُنہی کو آکر لگا۔ لوگون نے نکالنا چاہا تو انھون نے
منع کیا کہ جب تک یہ بدن مین ہو اُسی وقت تک زندہ بھی ہون"۔ چنانچہ اُسی حالت مین حملہ کرتے
ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑکر ایرانی بھاگ چلے۔
اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اڑیا۔

بہرشیر اور مداین مین صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرشیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا ایرانیون

نے پہلے سے یہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعد جب کنارے پر پہنچے
تو پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور
ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں
ڈال دیا۔ انکو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور دفعتہ سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے
دریا اگرچہ نہایت زخار تھا اور موج تھپیڑے مار رہی تھی لیکن جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا
تھا کہ موجیں جب گھوڑوں سے ٹکراتی تھیں تو وہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں
کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ [illegible] کی جو ترتیب تھی اس میں ذرا فرق نہ آیا۔ دوسرے
کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی
تو انکو خیال ہوا کہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ دیوان آمدند دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگے
تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین
کر دیے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر روکنے کو بڑھا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے۔
تیر اندازوں کو بھی شکست کی [illegible] پیچھے ہٹے [illegible] شاہی
[illegible] کی صورت [illegible] سعد مدائن میں داخل ہوئے
تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ کم ترکوا
من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیها فاکهین
کذلک واورثناها قوما آخرین۔

سلہ تاریخ طبری میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں۔

ایوانِ کسریٰ مین تختِ شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اُسی مین ادا کی گئی۔ اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق مین ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابرِ صحابہ مین سے تھے اور برسون جناب رسالت مآب صلعم کی صحبت مین رہے تھے۔ عالمگیر و محمود کی تقلید نہین کی بلکہ ایوان مین جس قدر مجسم تصویرین تھین سب برقرار رہنے دین[1]۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر یکجا کیے جائین کیانی سلسلے سے لیکر نوشیروان کے عہد تک کی ہزارون یادگار چیزین تھین۔ خاقانِ چین راجہ داہر۔ قیصرِ روم۔ نعمان بن منذر۔ سیاؤش۔ بہرام چوبین۔ کی زرہین۔ اور تلوارین تھین۔ کسریٰ۔ ہرمز۔ اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے چاندی کی ایک اونٹنی تھی جسپر سونے کی پالان تھی اور مہار مین بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے ناقہ سوار سر سے پانون تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکلجاتا تھا تو اس پر بیٹھکر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اسمین بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے بیچ مین سبزے کا چمن تھا۔ چارون طرف جدولین تھین۔ ہر قسم کے درخت اور درختون مین شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولین۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے، جواہرات کے پھل تھے

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ وہ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نوادرات کو چھوا نہیں انکا بے شبہ [illegible] ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہوکر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا [illegible] فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال [illegible] کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ سامان چنا گیا [illegible] فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

[illegible]

[illegible]

جدا ہو گیا وہ مقدس [illegible] نبوت کی [illegible] یادگار [illegible]

کی کیا پروا کرسکتا تھا۔

جلولاء[۱] ۱۶ھ ۶۳۷ء

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مداین کی فتح کے بعد ایرانیون نے جلولاء مین جنگ کی تیاریان شروع کین، اور ایک بڑی فوج جمع کرلی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستون اور گذرگاہون پر گوکھرو بچھا دیے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا، وہان سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لیکر اس مہم پر جائین۔ اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک۔ میسرہ پر عمرو بن مالک ساقہ پر عمرو بن مرّہ مقرر ہون۔ ہاشم مداین سے روانہ ہوکر چوتھے دن جلولاء پہونچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینون محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکلکر حملہ آور ہوتے تھے۔ اِس طرح اسّی معرکے ہوئے لیکن ایرانیون نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر مین ہر طرح کا ذخیرہ مہیّا تھا، اور لاکھون کی جمعیت تھی بیدل نہین ہوتے تھے، ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانون نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اِس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان مین اندھیرا ہوگیا، ایرانی مجبور ہوکر پیچھے ہٹے، لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہین آتا تھا۔ ہزارون آدمی خندق مین گرگر کر مر گئے۔ ایرانیون نے یہ دیکھکر جابجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانون کو خبر ہوئی۔ تو انھون نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریان کین، ایرانیون کو بھی دم دم کی خبرین پہنچتی تھین، اسی وقت مسلمانون کی آمد کے رُخ گوکھرو بچھوا دیے۔ اور فوج کو سروسامان

[۱] جلولاء بغداد کے سواد مین ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونیکے نقشے مین مندرج نہین ہے، بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ مین پڑتا ہے

درست کرکے قلعہ کے دروازے پر جا دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے
سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اوّل تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے
یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت
دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ
گئے۔ عجمیوں کا سپہ سالار فیرزان یعنی [illegible] پیچھے ہٹ گئے تھے۔ دونوں [illegible] عجمیوں کی [illegible] تھا
قعقاع نے عجمیوں سے پکڑوا دیا۔ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ [illegible] قعقاع
کو [illegible] دروازہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہو گئے
[illegible] تھے۔ [illegible] [illegible] یہاں تک کہ [illegible] کی روایت کے
[illegible] [illegible] ہاتھ سے [illegible] [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعون مین منقسم ہے جنمین سے دمشق حمص۔ اردن فلسطین مشہور اضلاع ہین۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہی۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے جس کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پرانا نام سلا۔ اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے، یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے۔ تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہین۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجین بیسان مین جمع ہوئین اور مسلمانون نے ان کے سامنے فحل مین پڑاؤ ڈالا۔ رومیون نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعۃً نہ آپڑین۔ آس پاس جس قدر نہرین تھین سب کے بند توڑ دیے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہوگیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانون کا استقلال دیکھکر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے۔ اور ابوعبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بنکر آئے۔ ابوعبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیون کے لشکر مین پہنچے تو دیکھا کہ خیمے مین دیبای زرین کا فرش بچھا ہے وہین ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا مین تھام لیتا ہون آپ دربار مین جا کر بیٹھے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا۔ اور عیسائی تک اس سے واقف تھے اسلیے وہ واقعی اُن کی عزت کرنی چاہتے تھے۔ اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گران گذرتا تھا۔

معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر لیا ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہکر زمین
پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود
اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا۔ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے۔ اور
کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھکو اسکی پروا نہیں اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے
بڑھکر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے۔ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے یہانتک
کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے۔ انہوں نے کہا معاذ اللہ یہی
بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہوں۔ رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم
سے کہا کہ ان سے کہدو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ رومیوں
نے کہا ہمکو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب
ہے۔ فارس کا بادشاہ مر چکا ہے۔ سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر
تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اور تعداد میں
ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا سب سے پہلے
ہماری درخواست یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔
سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ
دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہمکو قلت اور
کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله
تم کو یہ ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہمنے

جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات مین اپنے آپ کو ترجیح نہین دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو دُرّے لگائے جائین۔ چوری کرے تو ہات کاٹ ڈالے جائین۔ وہ پردے مین نہین بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہمسے بڑا نہین سمجھتا۔ مال و دولت مین اُسکو ہم پر کوئی ترجیح نہین"۔ رومیون نے کہا: "اچھا ہم تمکو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصّہ جو تمھاری زمین سے متصل ہی دیتے ہین۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ"۔ معاذ نے انکار کیا اور اٹھکر چلے آئے۔ رومیون نے براہ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔ چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا۔ ابوعبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہاتھ مین تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ وحشم رکھتا ہوگا اور یہی اسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ مین ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا۔ اور تعجب سے انکی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟" ابوعبیدہ نے کہا "ہان"۔ قاصد نے کہا "ہم تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیان دین گے تم یہان سے چلے جاؤ"۔ ابوعبیدہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابوعبیدہ نے اس کے تیور دیکھکر فوج کو کمربندی کا حکم دیا۔ اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے[1]۔ حضرت عمرؓ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمھارا یاور اور مددگار ہے"۔

ابوعبیدہ نے اُسی دن کمربندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے مین نہ آئے اگلے دن

---

[1] فتوح الشام ازدی مین ہے کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔

تنہا خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ ساتھ تھا۔ رومیوں نے بھی جنگ کی طیاری کی اور فوج کے تین حصے کرکے باری باری سے میدان میں بھیجا۔ پہلا دستہ خالد کی طرف بڑھا [illegible] قیس بن ہبیرہ سے صف سے نکل کر آگے [illegible] دونوں [illegible] ہوئی [illegible] دوسری فوج آئی خالد نے میسرہ بن مسروق کو [illegible] [illegible] جب [illegible] بڑے سروسامان سے نکلا [illegible] [illegible] آتا تھا قریب پہنچ کر ٹھہر گیا [illegible] خالد نے [illegible] نہایت استقلال سے [illegible] دونوں فوجیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بڑھتے چلے گئے۔

عیسائی [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] وقت [illegible] پیچھے ابوعبیدہ [illegible] شرحبیل [illegible] معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا [illegible] خالد

کی ماتحتی مین دیے گئے" فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جاکر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو۔ کیونکہ با لصبر فان اللہ مع الصابرین۔ خدا ثابت قدمون کے ساتھ رہتا ہے"

رومیون نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفین قائم کین جنکی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف مین ہر ہر سوار کے دائین بائین دو دو قدر انداز۔ میمنہ اور میسرہ پر سوارون کے رسالے پیچھے پیادہ فوجین۔ اِس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانون کی طرف بڑہے۔ خالد چونکہ ہراول پر تھے۔ پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازون نے تیرون کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانون کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو بچا کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس مین سوار ہی سوار تھے۔ قدر انداز نہ تھے۔ رومیون کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے، یہان تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پاکر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفین کی صفین اُلٹ دین۔ گیارہ بڑے بڑے افسر اُنکے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کرکے رومیون کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازون کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اس کو قلب مین پہنچا کر نہ گاڑ دون گا۔ پھر کر نہ آؤن گا" یہ کہکر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ مین سپر لے کر لڑتے بھڑتے اسقدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گذر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی گھمسان کی لڑائی ہی اور

تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے۔ اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادتگاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص سنہ ۱۴ ہجری

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے انگریزی میں اسکو ایمیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں اسکی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد یہی بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جنکا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس، حمص، اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور حیثیت میں ان دونوں سے کم تھا۔ پہلے لشکر اسلام

لہ اس واقعہ کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے

نے اوّل اسی کا ارادہ کیا۔ راہ مین بعلبک پڑتا تھا۔ وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہوگیا۔ حمص کے قریب رومیون نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ مین مسلمانون سے مقابل ہوئی۔ لیکن خالد کے پہلے ہی حملے مین اُنکے پانون اُکھڑ گئے۔ خالد نے سمرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ مین رومیون کی ٹوٹی پھوٹی فوجون سے جو اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھین مٹ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے مین شرحبیل حمیری نے اکیلے سات سوارون کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہوکر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیون کے ایک رسالہ نے انکو تنہا دیکھکر حملہ کیا۔ انھون نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہان تک کہ جب دس گیارہ شخص انکے ہات سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے۔ اور ایک گرجا مین جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا مین ایک جماعت کثیر موجود تھی، یہ چارون طرف سے گھر گئے۔ اور ڈھیلون اور پتھرون کی بوچھار مین زخمی ہوکر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رُخ کیا۔ اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی، رومیون کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان مین دیر تک نہ لڑسکین گے۔ اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے، یہ خبر سنکر کچھ فوجین بھیج دین۔ جس نے ان کو وہین روک لیا۔ اور آگے

بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیزر (اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے، اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی۔ ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے، فنیقیین عہد میں اسکو راماثنا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا۔ اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور اختفا سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور ظاہر میں شہر چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا اس کو غنیمت خیال کیا۔ اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعتہً حملہ کیا۔ اور دم کے دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پایۂ تخت کا [ارادہ] کیا۔ [illegible] اپنی فوجیں [illegible] روانہ تھیں لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال [illegible] آگے بڑھنے کا ارادہ [illegible] کیا جائے [illegible] ملک شام کے [illegible] فوجیں واپس بلا لی گئیں [illegible] اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب مقرر [illegible] فتح کیا تھا

[illegible] ایک قدیم شہر [illegible] فتوح [illegible] صفحہ ۱۳۱

دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن مین مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص مین اقامت کی۔

یرموک ۔ ۵ رجب ۱۵ھ / ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے، انطاکیہ پہنچے، ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان مین سے چند ہوشیار اور معزز آدمیون کو دربار مین طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور مین، جمعیت مین، سروسامان مین کم ہین۔ پھر تم اُنکے مقابلے مین کیون نہین ٹھہر سکتے۔ اِس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہین وہ رات کو عبادت کرتے ہین، دن کو روزے رکھتے ہین کسی پر ظلم نہین کرتے۔ آپس مین ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہی، ہمارا یہ حال ہو کہ شراب پیتے ہین، بدکاریان کرتے ہین، اقرار کی پابندی نہین کرتے۔ اورون پر ظلم کرتے ہین، اسکا یہ اثر ہے کہ اُن کے ہر کام مین جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہی ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہی"۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی، اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے مین صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجین پایۂ تخت انطاکیہ مین ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائین، تمام اضلاع کے افسرون کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہان سے مہیا ہو سکین روانہ کیے جائین، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجون کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چارون طرف جہان تک نگاہ جاتی تھی فوجون کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے امراء اور رئیس انکے عدل و انصاف
کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر
لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام واقعات
کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جسکا خلاصہ
یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تمکو بارہا جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے۔ چنانچہ اس کے
صلہ میں خدا نے ہمیشہ تمکو مظفر و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلہ
کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ
کے بھائی) اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور
ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اس کے ساتھ خالد و عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق
و فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرحبیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے
دینی چاہیے۔ یزید نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں
شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے بال بچوں کو پکڑ کر قیصر کے حوالے
کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے
نکال دیں۔ شرحبیل نے اٹھ کر کہا کہ اے امیر تمکو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو
اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لیے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔
حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔
عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہؓ نے

کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم اُن کو اُن کے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اس لیے جو کچھ اُن سے وصول ہوا ہے سب اُنکو واپس دے دو۔ اور اُن سے کہدو کہ ہمکو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے، لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے"، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی، کل واپس کردی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تمکو واپس لائے"۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا توراۃ کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کردیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردی جائے۔[1]

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے[2]۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

---

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳۷) میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصیل لکھا ہے۔ [2] میں نے یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں۔ لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سنکر کہ مسلمان رومیون کے ڈر سے حمص سے چلے گئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن
جب انکو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسرانِ فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے
کسی مصلحت سے تمام مسلمانون کو اس راے پر متفق کیا ہوگا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ مین مدد
کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہون لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہین ہے۔ ابو عبیدہ نے
دمشق پہنچکر تمام افسرون کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ،
معاذ بن جبل سب نے مختلف رائین دین۔ اسی اثنا مین عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا
جس کا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع مین عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیون کی آمد آمد
نے سخت [illegible] ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے تدبیری کی بات ہوئی۔ ابو عبیدہ نے
[illegible]
[illegible]

[illegible] ۱۵ ہجری

[illegible] ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہوگئے [illegible] اردن کی حدود مین [illegible]
[illegible] عمرو بن العاص [illegible] موقع جنگ کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہین اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے۔ راہب اور خانقاہ نشین جنھون نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہین نکالا تھا نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہین، خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھکر سنایا۔ تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہمکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیون پر جاکر نثار ہو جائین، خدانخواستہ اُن کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا، یہان تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن، اور ہمکو ساتھ لے کر چل" لیکن اور صحابہ نے اِس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجین بھیجی جائین۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہان تک آگئے ہین اُس نے کہا کہ یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے" حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہوسکتا ہے؟ اتنے عرصہ مین کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے" ابو عبیدہ کے نام نہایت پُرتاثیر الفاظ مین ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف مین جاکر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ الا عمر یقرئک السلام ویقول لکم یا اھل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیھم شد اللیوث ولتکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیھم منصورون۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اُسی دن عامر بھی ہزار آدمیون کے ساتھ پہنچ گئے مسلمانون کو نہایت تقویت ہوئی۔ اور انھون نے نہایت استقلال کے

کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں ... کے مقابل ... خالد نے
لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل جو بہت ... کے ... تھے میمنہ پر مقرر کیا۔
قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے
چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا۔ باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق، عمرو بن
الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں منتخب تھے۔ اور اسی وجہ سے فارس العرب
کہلاتے تھے۔ رومی ... میدان سے نکلے ... [illegible] ...
صفیں ... [illegible] ...
... [illegible] ...
میسرہ بن مسروق نے ... [illegible] ...
قیس بن ہبیرہ کی طرف ... [illegible] ...

... [illegible] ...

... [illegible] ...

... [illegible] ...

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا، دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو، ہم اُس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لے کر آیا اُس کا نام جارج تھا، جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہکر کھڑے ہوئے، اور جس محویت، سکون و وقار، ادب و خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی، قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسٰے کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون۔ مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ "بے شک عیسٰے کے یہی اوصاف ہیں، اور بے شک تمھارا پیغمبر سچا ہے" یہ کہکر اُس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اِس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہو، مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اُس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے

کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالدؓ بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُن پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالدؓ نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اُس کو ایک لمحہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔ باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ "اہل عرب! تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کیے۔ ہمارا خیال تھا کہ ان مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل اور وحشی اور بے سر و سامان نہیں، یہ حوصلہ ہوا ہے۔ ہم اس پر بھی درگذر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلوا دیئے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کرچکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ "بے شبہہ تم دولتمند ہو، مالدار ہو، صاحبِ حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہی لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہوگئے اور آج خود ہمارے مقابلے مین تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہین۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج، تنگدست اور خانہ بردوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس مین لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے، اور اُنکو پوجتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے، لیکن خدا نے ہمپر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا، جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم مین سب سے زیادہ شریف۔ زیادہ فیاض۔ زیادہ پاک خو تھا۔ اُس نے ہمکو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہین، وہ بیوی اور اولاد نہین رکھتا، وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرین، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے، اور ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہین جس کو دونون سے انکار ہو، اُس کے لیے تلوار ہے"

باہان نے جزیہ کا نام سنکر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "یہ مرکر بھی جزیہ نہ دین گے، ہم جزیہ لیتے ہین دیتے نہین"۔ غرض کوئی معاملہ طے نہین ہوا اور خالد اٹھکر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریان شروع ہوئین جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے

ہمارا اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تمکو ان کی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے۔ اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اس قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرحبیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے سوا ہر صف پر ایک ایک افسر تھا جو [illegible] کے چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطیب جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں آگ لگا دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ انہیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ انکم ذادة العرب وانصار الاسلام وانھم ذادة الروم وانصار الشرک۔ اللھم ان ھذا یوم من ایامک اللھم انزل نصرک علی عبادک۔ عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا الناس غضوا الابصار واشرعوا الرماح — لوگو! نگاہیں نیچی رکھو۔ برچھیاں تان لو۔ اپنی جگہ پر
والزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلوھم — جمے رہو۔ جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو
حتی اذا رکبوا اطراف الاسنة فثبوا — یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر
فی وجوھھم وثوب الاسد — کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب مین انتخاب تھے۔ ان مین سے خاص وہ بزرگ جنھون نے رسول اللہ صلعم کا جمالِ مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے، سو بزرگ وہ تھے جو جنگِ بدر مین رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہے تھے، عرب کے مشہور قبائل مین سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی، ہمدان۔ خولان۔ لخم۔ جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے۔ اِس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہی کہ عورتین بھی اِس مین شریک تھین، اور نہایت بہادری سے لڑین۔ امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھین تو پکارتی تھین عضدو الغلفان بسیوفکم، امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۂ انفال (جسمین جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیون کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیون نے پانون مین بیڑیان پہن لین تھے کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے، جنگ کی ابتدا رومیون کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا، ہزارون پادری اور بشپ ہاتون مین صلیب لیے آگے تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھکر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر "کس قدر بے انتہا فوج ہے" خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ، خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو مین کہدیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لین"۔

غرض عیسائیون نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیرون کا مینھ برساتے بڑھے،

مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ ادھر رخ کیا تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ خولہ بنت ثعلبہ [illegible] کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں

یا ھارباً عن نسوۃ تقیات — رمیت بالسہم و بالمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر [illegible] گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا ہاں یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھس گئے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی [illegible] جو قبیلۂ زبید کے سردار تھے پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کر رہے تھے آگا روک لیا۔ ادھر قبیلۂ [illegible] ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اس پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر اور ہاتھ اور بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پاؤں ثابت رہے اور لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن طفیل جو قبیلے کے سردار تھے [illegible] جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ [illegible] مسلمانوں [illegible] نو عیسائیوں کو [illegible] آخر شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو جو پیچھے تھی [illegible] لے کر [illegible] سے حملہ

کیا کہ رومیون کی صفین ابتر کردین۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے
اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیو! مین کسی زمانے مین (کفر کی
حالت مین) خود رسول اللہؐ سے لڑ چکا ہون۔ کیا آج تمھارے مقابلہ مین میرا پانون پیچھے پڑ سکتا ہے؟"
یہ کہکر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصون نے جن مین ضرار
بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب
وہین کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولون کے ڈھیر مین ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا، خالد نے
اپنے زانو پر اُن کا سر رکھا اور گلے مین پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید
ہوکر نہ مرین گے"

غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیون کے ہزارون آدمی برباد
کردئے۔ خالد کے حملون نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی، یہان تک کہ آخر انکو پیچھے ہٹنا پڑا۔
اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار (دریجار) تک پہنچ گئے۔ دریجار[2] اور رومی افسرون نے
آنکھون پر رومال ڈال لیے کہ "اگر یہ آنکھین فتح کی صورت نہ دیکھ سکین تو شکست بھی نہ دیکھین"[1]۔
عین اُس وقت جب ادھر میمنہ پر بازار قتال گرم تھا ابن قباطر نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بدقسمتی
سے اس حصے مین اکثر لخم و غسان کے قبیلے کے آدمی تھے جو شام کے اطراف مین بود و باش
رکھتے تھے، ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آتے تھے۔ رومیون کا رعب جو دلون
مین سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے مین اُن کے پانون اکھڑ گئے۔ اور اگر افسرون نے

۱؎ تاریخ طبری واقعہ یرموک۔ ۲؎ رومیون کے میمنہ کا سپہ سالار تھا۔

بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک
پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے
سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید
بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرحبیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ
سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر
گرتا تو کہتے کہ "کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان
جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔" لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دیتے اور پھر وہ
شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے
مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ
سے جانے نہ پائے۔ سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر
کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان، معاویہ کے بھائی، بڑی ثابت قدمی
سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے، ان کی
طرف آ نکلے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا، جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے
جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری
فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لیے شرم
کی جگہ ہے۔ شرحبیل کی یہ حالت تھی کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور بیچ میں چٹان کی طرح
جمے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و

اَمْ اَنَّ لَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ پڑھتے تھے
اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہان ہین؟"
یہ آواز جس کے کان مین پڑی، بے اختیار لوٹ پڑا یہان تک کہ اُکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور
شرجبیل نے انکو لیکر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتین خیمون سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئین۔ اور چلا کر کہتی تھین کہ میدان سے
قدم ہٹایا تو پھر "ہمارا منھ نہ دیکھنا"

لڑائی کے دونون پہلو اب تک برابر تھے، بلکہ غلبہ کا پلہ رومیون کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن
ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا، عقب سے نکلے اور اس طرح
ٹوٹ کر گرے کہ رومی سردارون نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفین ابتر ہوگئین، اور
گھبرا کر پیچھے ہٹین، ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہانتک
کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر مین اُن کی لاشون نے
وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہوگیا۔

اِس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی حباش
بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے۔ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اِسی اثنا مین کسی نے
اُنکے پانون پر تلوار ماری اور ایک پانون کٹ کر الگ ہوگیا۔ حباش کو خبر تک نہوئی۔ تھوڑی
دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈھتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤن کیا ہوا؟ ان کے قبیلے کے لوگ اس
واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے، چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

وشتان بین عتاب و ناشد رجله   و منا اللذی ادی الی اتی حاجبا

[illegible]

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر میدان مین عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ اُنھون نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنون کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والون نے ابو عبیدہ کی آمد سنکر قلعہ مین پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہرون کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیون نے جزیہ دینا منظور کیا اور ان کی جان۔ مال۔ شہر پناہ۔ مکانات، قلعے اور گرجون کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے، چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا۔ بہت سے رومیون اور عام عیسائیون نے یہان آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیون نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا، عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چارون طرف فوجین پھیلا دین۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمین توزی۔ قورس۔ تل غراز۔ دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہین گرا، اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے دہلہ مین فتح ہو گئے۔ جرجومہ والون نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی مین مسلمانون کا ساتھ دین گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، انکی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات مین بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیاے کوچک کی سرحد ملتی تھی، یہان عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیون کے ساتھ ہرقل کے پاس

جانے کی تیاریاں کر رہے تھے حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد میں فتح کر لیے تھے اور فاروقی عہد تک تو نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ سے جا ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے لیکن فتح ہونے کے بعد فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ دمشق کے اطراف یعنی قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے چنانچہ وہ بھی فرصت پاکر بیت المقدس کو آ گھیرا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام معززین کو جمع کیا اور مشورت کی۔

۱؎ فتوح البلدان صفحہ …

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہین، آپ انکی درخواست کو رد کردین تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھکر کہ مسلمان انکو بالکل حقیر سمجھتے ہین، بغیر کسی شرط کے ہتیار ڈال دین گے" لیکن حضرت علیؓ نے اِس کے خلاف راے دی۔ حضرت عمرؓ نے ان ہی کی راے کو پسند کیا۔ اور سفر کی طیّاریان کین، حضرت علیؓ کو نائب مقرر کرکے خلافت کے کاروباران کو سپرد کیے[1] اور رجب سنہ ۱۶ھ مین مدینہ سے روانہ ہوگئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ **فاروق اعظم** کا سفر، اور سفر بھی وہ جس سے دشمنون پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہان نقارہ و نوبت، خدم وحشم، لاؤلشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا؛ سواری مین گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ساتھ تھے، تاہم جہان یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سردارون کو اطلاع دیجاچکی تھی کہ جابیہ مین آکر ان سے ملین۔ اِطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہین استقبال کیا۔ شام مین رہ کر ان افسرون مین عرب کی سادگی باقی نہین رہی تھی؛ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پرتکلف قبائین تھین، اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان وشوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اُتر پڑے، اور سنگریزے اُٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتین اختیار کرلین۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے۔ یعقوبی نے حضرت علیؓ کے بجاے حضرت عثمانؓ کا نام لیا ہے۔ [2] یعقوبی صفحہ ۱۶۷۔

اِن لوگوں نے عرض کی کہ [illegible] کے پیچھے چھپا ہوا یعنی دمشق سے پہلے [illegible] کا جو ہمارے ہاتھ سے

نہیں دیا ہے، فرمایا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شہر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ [illegible] پڑے ہیں کھڑے

ہو کر چاروں طرف [illegible] خوشبو کا درخت سبزہ زار۔ دمشق کے چند [illegible] مکانات

سات تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا حضرت کے لبوں پر آیت پڑھی کم ترکوا من جنات

وعیون۔ [illegible] کے چند سرت انگیز [illegible]۔

جب بیت المقدس [illegible] مدت تک [illegible] بیت المقدس کا محاصرہ [illegible] ان کے عیسائیوں کو

حضرت عمر فاروق کی آمد کی خبر پہنچی تھی چنانچہ [illegible] یہاں شہر کا [illegible] ان سے ملنے

کے لیے دمشق کو روانہ ہوئے۔ حضرت عمر [illegible] کے خیمہ [illegible] نظر آئے جو

گھوڑے [illegible] تھے [illegible] نے [illegible] سنبھال

لیے حضرت عمر نے پوچھا خیریت [illegible] لوگوں نے [illegible] حضرت عمر نے

[illegible] بیت المقدس کے عیسائی [illegible] طلب

کرتے ہیں [illegible] مشغول ہو گئے۔

[illegible] بیت المقدس [illegible] سواری میں

[illegible] حضرت عمر [illegible] دیکھا

[illegible] صلح نامہ [illegible]

[illegible] دیکھو اس کتاب

[illegible] صفحہ ۲۵۵

لوگون نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا۔ فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہان سیکھی، یہ کہکر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے، حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا، اُس کو دیکھکر مسلمانون کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل مین کیا کہین گے؟ چنانچہ لوگون نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا "کہ خدا نے ہمکو جو عزّت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے" غرض اس حال سے بیت المقدس مین داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد مین گئے۔ محرابِ داؤد کے پاس پہنچکر سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا، پھر عیسائیون کے گرجا مین آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہان اکثر افسرانِ فوج اور عمّال جمع ہوگئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلالؓ (رسول اللہؐ کے موذّن) نے آکر شکایت کی کہ امیرالمؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیان کھاتے ہین لیکن عام مسلمانون کو معمولی کھانا بھی نصیب نہین، حضرت عمرؓ نے افسرون کی طرف دیکھا، انھون نے عرض کی کہ اس ملک مین تمام چیزین ارزان ہین۔ جتنی قیمت پر حجاز مین روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہان اُسی قیمت پہ پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسرون کو مجبور نہ کرسکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کردیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو، بلال نے کہا مین عزم

کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دون گا لیکن آج اور صرف آج آپکا ارشاد بجا لاؤن گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے۔ کعب احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے۔ اس کو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اسکی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا اہتمام عمل بر قدر کی یادگاروں کی نسبت تحفظ ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیون کی دوبارہ کوشش ١٧ھ ٦٣٨ع

[illegible] آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پہنچا ہے [illegible] ہم اور سب سے پہلے [illegible] لکھ چکے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا [illegible] کی فتوحات

فتوح [illegible] صفحہ ۱۳۹

چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھین اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتون کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والون نے قیصر کو لکھا کہ نئے سر سے ہمت کیجیے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہین۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی، ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، ابوعبیدہ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجین جمع کر کے حمص کے باہر صفین جمائین۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہرون مین فوجی چھاؤنیان قائم کر رکھی تھین اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت طیار رکھتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجین ملغار کر کے موقع پر پہنچ جائین۔ ابوعبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیے۔ قعقاع بن عمر کو جو کوفہ مین مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص پہنچ جائین۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچکر جزیرہ والون کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دین۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچکر عرب کے اُن قبائل کو تھام رکھین جو جزیرہ مین آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہوکر دمشق مین آئے۔ جزیرہ والون نے جب سنا کہ خود اُن کے ملک مین مسلمانون کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیون کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیون سے الگ ہو جائین۔ خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس! مین دوسرے شخص (ابوعبیدہ) کے ہاتھ مین ہون۔ اور وہ حملہ کرنا پسند

نہیں کیا، ورنہ مجھکو تمھارے ٹھہرنے اور چپ بیٹھنے کی مشق پر ندامت ہوتی۔ تم اگر قریب پہنچے ہو تو محاصرہ چھوڑکر کسی طرف نکل جاؤ۔ ادھر فوج نے ابوعبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انھوں نے خالد سے پوچھا۔ خالد نے کہا میری جو رائے سب کو معلوم ہے۔ عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے۔ اس پر بھی ابوعبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پرزور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال اسکے ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ میں گواہی دیتا ہوں اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیے بیقرار تھی۔ ابوعبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعۃً سب نے ہتھیار سنبھال لیے۔ ابوعبیدہ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ و میسرہ کو لیکر بڑھے۔ قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے حمص سے چند میل پر تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑکر سو سواروں کے ساتھ ابوعبیدہ سے آملے۔ مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل جنھوں نے نصرت کا اقرار ہوچکا تھا عین وقت پر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑکر بری طرح سے بھاگے کہ پھر کبھی ان کے قدم نہ جمے۔ یہ آخری حملہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اس کے بعد انکو کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالدؓ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور سنہ ۱۷ھ؁ (۶۳۸ء) کے واقعات مین حضرت خالدؓ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہات مین لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہین۔ لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہین، خود ہی سنہ ۱۳ھ؁ کے واقعات مین خالد کا معزول ہونا لکھا ہے۔ اور خود ہی سنہ ۱۷ھ؁ کے واقعات مین انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے، اور دونون جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیے ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیون کی وجہ سے مدّت سے ناراض تھے۔ تاہم آغازِ خلافت مین اُن سے کچھ تعرض کرنا نہین چاہا۔ لیکن چونکہ خالدؓ کی عادت تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب دربارِ خلافت کو نہین بھیجتے تھے اس لیے انکو تاکید لکھی کہ آیندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد نے جواب مین لکھا کہ مین حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہون اور اب اس کے خلاف نہین کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہات مین دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو، خالدؓ نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیے گئے، چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ مین حضرت خالدؓ کے حال مین بتفصیل لکھا ہے۔

با این ہمہ انکو بالکل معزول نہین کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۷ھ؁ (۶۳۸ء) مین واقعہ

پیش آیا، کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام مین دیدئے۔ پرچہ نویسون نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونون صورتون مین وہ معزولی کے قابل ہین۔

خالد جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہو، قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا، مجمع عام مین خالد سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہان سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ اُن سے درگذر کی جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کی سرتابی کی سزا کے لیے اُنہی کے عمامہ سے اُنکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہین کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام مین کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اِس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دَم نہین مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہو اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر مین یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب مین نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو معزول کر دیا۔ اِس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا "اے سردار چُپ رہ! اِن باتون سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے" خالد نے کہا ہان! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔[1]

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۸۶، اور تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۷۔

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملہ مین ناانصافی کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہان سے آئی۔ خالدؓ نے کہا کہ مالِ غنیمت سے ہے۔ اور یہ کہکر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ مین آپکے حوالہ کرتا ہون۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال مین داخل کر دیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجھکو محبوب بھی ہو، اور مین تمہاری عزت بھی کرتا ہون"۔ یہ کہکر تمام عمالانِ ملکی کو لکھ بھیجا کہ "مین نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہین کیا۔ لیکن چونکہ مین یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُن کے مفتون ہوتے جاتے ہین۔ اِس لیے مین نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تا کہ لوگ یہ سمجھ لین کہ جو کچھ کرتا ہی خدا کرتا ہے۔"[1] اِن واقعات سے ایک نکتہ بین شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس مین کیا مصلحتین تھین۔

عمواس کی وبا۔ ۱۸ھ ۶۳۹ء

اِس سال شام و مصر و عراق مین سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگارین خاک مین چھپ گئین۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر مین ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اوّل جب خبر پہنچی تو اُس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے۔ سَرغ[2] پہنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگون نے مختلف

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸ [2] ایک مقام کا نام ہے۔

رائین دین، لیکن مہاجرین فتح نے یکزبان ہو کر کہا کہ آپکا یہان ٹھہرنا مناسب نہین، حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دین کہ کل کوچ ہے، حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا، اور طیش مین آکر کہا،

افرارًا من قدر اللہ — یعنی اے عمرؓ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ — یعنی ہان، "تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہون مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کیطرف ہون"

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ مجھکو تم سے کچھ کام ہے، کچھ دنون کے لئے یہان آجاؤ، ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے، جواب مین لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر مین لکھا ہے وہ ہوگا، مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہان سے ٹل نہین سکتا، حضرت عمرؓ خط پڑھکر روئے اور لکھا کہ فوج جہان اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہان اٹھ جاؤ، ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ مین جا کر مقام کیا جو آب وہوا کی خوبی مین مشہور تھا،

جابیہ پہنچکر ابو عبیدہ بیمار پڑے، جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگون کو جمع کیا اور نہایت پر اثر الفاظ مین وصیت کی، معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائین ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انھون نے داعی اجل کو لبیک کہا، بیماری اُسیطرح زورون پر تھی اور فوج مین انتشار پھیلا ہوا تھا، عمرو بن العاص نے لوگون سے کہا کہ یہ وبا انھی بلاؤن مین سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے مین مصر پر نازل ہوئی تھین اسلئے یہان سے بھاگ چلنا چاہیئے، معاذ نے سُنا تو منبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا، بلا نہین ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے" خطبہ کے بعد خیمہ مین آئے تو بیٹے کو بیمار پایا، نہایت

استقلال کے ساتھ کہا یا بنی الحق من ربك فلا تکونن من الممترين یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے ہے، دیکھ شبہ مین نہ پڑنا، بیٹے نے جواب دیا ستجدنی انشاءاللہ من الصابرین یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھکو صابر پائین گے" یہ کہکر انتقال کیا، معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے، عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب بھی بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی،

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے، وبا کا وہ زور تھا اور ہزارون آدمی طعمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اسکو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا، معاذ کے مرنے کے ساتھ انھون نے مجمع عام مین خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے اسلئے تمام فوج کو یہان سے اٹھکر پہاڑون پر جا رہنا چاہیئے، اگرچہ انکی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہمخیال تھے ناپسند آئی یہانتک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ "تو جھوٹ کہتا ہے" تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا، فوج ان کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑون پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل مین آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے،

ان مین ابو عبیدہ، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمر، عتبہ بن سہیل بڑے درجہ کے لوگ تھے، حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے، یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرحبیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا،

اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رُک گیا، فوج بجاے اسکے
کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال مین گرفتار تھی، ہزارون لڑکے یتیم ہو گئے، ہزارون عورتین بیوہ
بن گئین، جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان حالات سے
مطلع ہو کر شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا انکا
غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے، ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو
دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو لئے، راہ مین جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین
کہان ہین؟ فرماتے کہ تمھارے آگے" اسی حیثیت سے ایلہ مین آئے اور یہان دو ایک روز
قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کیلئے
ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اسنے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے، اور اسکے ساتھ ایک نیا کرتہ طیار
کر کے پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس مین پسینہ خوب جذب ہوتا ہے، ایلہ
سے دمشق آئے، اور شام کے اکثر اضلاع مین دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات
کئے، فوج کی تنخواہین تقسیم کین، جو لوگ وبا مین ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے
وارثون کو بلا کر انکی میراث دلائی، سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیان قائم کین، جو اسامیان خالی
ہوئین تھین ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے (ان باتون کی پوری تفصیل دوسرے حصے مین
آئے گی) چلتے وقت لوگون کو جمع کیا، اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی،

اس سال عرب مین سخت قحط پڑا، اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزارون
لاکھون آدمی بھوکون مرجاتے، اسی سال، مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہین اور

روز نیے مقرر کئے، چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے مین آیگی،

قیساریہ کی فتح۔ شوال ۱۹ھ [1]

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع مین شمار کیا جاتا ہی آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے مین بہت بڑا شہر تھا، اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے، اس شہر پر اوّل اوّل ۱۳ھ مین عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا، ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو اون کی جگہ مقرر کیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائین، وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا، لیکن ۱۸ھ مین جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کرکے دمشق چلے آئے، اور یہین وفات پائی، امیر معاویہ نے بڑے سروسامان سے محاصرہ کیا، شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی، تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا، ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان دیا، جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی، چنانچہ چند بہادرون نے اسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا، ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتون کے پشتے لگا دیئے، مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیون کی اسّی ہزار فوج تھی جسمین بہت کم زندہ بچی، چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا، اسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا،

[1] بلاذری،

جزیرہ[1] - سنہ ۱۶ ہجری
۶۳۷ء

مدائن کی فتح سے دفعتہ تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، یا اب اُن کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی طیاریاں شروع کیں، سب سے پہلے جزیرہ نے ہتیار سنبھالا کیونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی، سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی، وہان سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسرون کو بھی خود ہی نامزد کیا تھا، چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل میمنہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات ابن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے، عبداللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت[2] کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا، مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا، اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے، چونکہ عجمیون کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے، عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیون گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیون سے ٹوٹ کر تم سے آملین گے، یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا کیا، عجمی مقابلہ کو نکلے تو خود ان کے ساتھ عربون نے عقب سے ان پر حملہ کیا، عجمی دونون طرف

---

[1] جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ مین ہے اسکی حدود اربعہ یہ ہین، مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ، اور ایشیائی کوچک، جنوب شام، مشرق، عراق، شمال آرمینیہ کے کچھ حصے، یہ مقام درج نقشہ ہے ۱۲

[2] تکریت، جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے، دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۲

سے گھر کر بالکل پامال ہوگئے،

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات مین شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے مین آگیا تھا اسلئے مورخین اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہین کرتے، اور خود اُس زمانے مین یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہین خیال کیا جاتا تھا، سنہ ۱۷ ہجری مین جب عراق وشام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجین بھیجی جائین، سعد نے عیاض بن غنم کو پانچہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا، وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے مین رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے، یہان کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی، رہا کے بعد چند روز مین تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہوگیا، جن جن مقام پر خفیف خفیف لڑائیان پیش آئین ان کے یہ نام ہین، رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سروج، قرقیسیا، زوزان، عین الوردۃ،

خوزستان[1]

سنہ ۱۵ ہجری مین مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے انھون نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ مین کافی طور سے امن

[1] خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اس مین ۱۴ بڑے شہر ہین جن مین سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ مین بھی درج کر دیا گیا ہے ۱۲

وامان قائم نہین ہوسکتا، چنانچہ ۱۶ ہجری کے شروع مین اہواز پر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا، یہان کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی مغیرہ وہین رک گئے ۱۷ ہجری مین مغیرہ معزول ہوکر انکی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے، اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی، اور اہواز کو جا گھیرا شاہی فوج جو یہان رہتی تھی اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہوگیا، غنیمت کے ساتھ ہزار دن آدمی، لونڈی غلام بنکر تقسیم کئے گئے، لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انھون نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائین چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے، ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رُخ کیا، یہ خود ایک محفوظ مقام تھا، شہر والون نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا، اس معرکہ مین مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والون نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا،

ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہان چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے، ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کردی، قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ہوچکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اسکے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائین، ابو موسیٰ نے منظور کیا، رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اس کو امن دیدیا جاتا تھا، بدقسمتی سے شمار مین رئیس نے خود اپنا نام نہین لیا تھا چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہوگئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا، سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی، یزدگرد اس وقت قم مین مقیم تھا

اور خاندان شاہی کے تمام ارکان [illegible] ابوموسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی
تھیں، ہرمزان نے جوش [illegible] بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز [illegible] فارس میری حکومت میں دیدیے جائیں تو میں عرب کے سیلاب
کو آگے بڑھنے سے روک دوں، یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت
عظیم ساتھ کر دی، خوزستان کا [illegible] مستقر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں
یہیں تھیں، ہرمزان نے [illegible] کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا، اس کے
ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے [illegible] ان کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں
اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم
ہو گئی، ابوموسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے عمار بن یاسر کے نام
جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم
نے جو سروسامان کیا تھا اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابوموسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے
جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج
لیکر خود ابوموسیٰ کی مدد کو جاؤ، ادھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلولا پہنچا، ابوموسیٰ نے اس
سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے، ہرمزان کثرت فوج کے
بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا، ابوموسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ براء بن مالک
کو دیا۔ (یہ وہ حضرت انس (صحابی مشہور) کے بھائی تھے) میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر
کیا، سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا، دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں،

براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہرپناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے ایرانی ، ہرمز شہر کہتے تھے
کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا عین پھاٹک پر دونون کا سامنا ہوا، براء مارے گئے اور کہ گئے سنہ ۱۷ ہجری
نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کیا اہواز کے رئیس نے
کے ہاتھ رہا عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے، ہرمزان نے قلعہ بندی کی، اور اہواز کو جا کر گھیرا
جاری رکھی ، آخر شکست کھائی اور

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ گئے لیکن جب حضرت
امن دیا جائے ، تو مین شہر پر قبضہ کرا دون ، ابوموسیٰ نے منظور کیا ، اسنے ایکدو وہ سب چھوڑ دیئے
اشرس کو ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کا شہر والون نے بھی
اتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر مین داخل ہوا اور اشرس کے منھ پر چادر ڈال کر عزز افسر تھے شہید ہوئے
میرے پیچھے پیچھے چلے آو ، چنانچہ شہر کے گلی کوچون سے گذرتا ہوا خاص ہر
ہرمزان رئیسون اور درباریون کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا شہری نے ان کو روانہ ہوئے ربیع
کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابوموسیٰ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ مین اپنا ر کردی قلعہ مین گھانے
تمھاری ہمت اور تقدیر ہے ، اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو کہ اسکے خاندان
ساتھ ہون تو شہر فوراً فتح ہو جائے ، ابوموسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا ، دو سو بہادر دن ایک آدمی کو نامزد
خدا کی راہ مین ہماری جان حاضر ہے ، اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہرپناہ کے دروازے اپنا نام نہین لیا تھا
پہرہ والون کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیئے ادھر ابوموسیٰ نے فوج قتل کرا دیا سوس
پر موجود تھے ، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر مین ہل چل پڑ گئی ، ہت قم مین مقیم تھا

اور خاندان شاہی کے تمام ارکان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُس نے برج پر چڑھکر کہا کہ میرے
تھین، ہرمزان نے جو شمشیر و درجب تک اتنی ہی لاشین یہان نہ بچھ جائین مین گرفتار نہین
حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز اتر آتا ہون کہ تم مجھکو مدینہ پہونچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر
کو آگے بڑھنے سے روک سکتے نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے
عظیم ساتھ کر دی خوزستانی بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس
یہین تھین، ہرمزان نے می رکاب مین لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ
ساتھ ہر طرف نقیب ادب کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا، دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ شاہانِ
اس تدبیر سے قومی جو انق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی غرض شوکت و شان کی
ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دو داخل ہوا اور لوگون سے پوچھا کہ امیر المومنین کہان ہین؟ وہ سمجھتا تھا
جو اس وقت کوفہ۔ بہ نے تمام دنیا مین غلغلہ ڈال رکھا ہے، اُس کا دربار بھی بڑے
نے جو سر و سامان کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس وقت مسجد مین تشریف رکھتے تھے اور
جواب مین عمار کپٹے ہوئے تھے۔

لیکر خود ابو موسیٰ مسجد مین داخل ہوا تو سیکڑون تماشائی ساتھ تھے۔ جو اس کے زرق برق لباس
سر و سامان تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگون کی آہٹ سے حضرت عمر کی آنکھ کھلی تو عجمی
بل پر خود شہرہ کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب
کو دیا۔ (یہ دنیائے دون کی دلفریبیان ہین"۔ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب
کیا، سوار ان وقت تک مترجم نہین آیا تھا مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اسلیے

انھون نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ وطن کی فارسی نہین جانتے تھے اس لیے کہا کہ "از کدام ارضی؟" پھر اور باتین شروع ہوئین۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔[1] شوستر کے معرکے مین دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتون کا اس قدر رنج تھا کہ انھون نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا، تم ہمارے غلام تھے، اب خدا تمھارے ساتھ ہے اور ہم تمھارے غلام ہین۔ یہ کہکر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ مین لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لون مارا نجاؤن۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا، اس نے پیالہ ہات سے رکھدیا اور کہا کہ مین پانی نہین پیتا اور اسلیے شرط کے موافق تم مجھکو قتل نہین کرسکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ مین پہلے ہی اسلام لاچکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہین کہ مین نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔[2] حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور خاص مدینہ مین رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس کی مہمات مین اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والون نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کیساتھ

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ [2] عقد الفرید ابن عبد ربہ۔ باب المکیدۃ فی الحرب

تمام لوگ اپنے کاروبار مین مصروف ہوئے۔ مسلمانون کو اُن کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اسکا سبب دریافت کیا۔ شہر والون نے کہا تم ہمکو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگون سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہین ہوسکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہین جانتے۔ آخر حضرت عمر کو خط لکھا گیا، انھون نے جواب مین لکھا کہ مسلمانون کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جسکو اُس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان مین اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست مین ایک اور نیا ملک اضافہ ہوگیا۔

عراق عجم[1] ۔ سنہ ۲۱ ہجری ۶۴۲ء

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین، یزدگرد رے کو چلا گیا۔ لیکن یہان کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اِس لیے رے سے نکلکر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہان پہنچکر مرو مین اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی اس کے لیے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہوکر پھر سلطنت وحکومت کے ٹھاٹھ لگا دیے۔ یہین خبر لگی کہ عربون نے عراق کیساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہوگیا۔ یہ حالات سنکر نہایت

[1] سرزمین عراق دو حصون پر منقسم ہے۔ مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہین اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہین کہ شمال مین طبرستان، جنوب مین شیراز، مشرق مین خوزستان اور مغرب مین شہر مراغہ واقع ہے اسوقت اسکے بڑے شہر اصفہان ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ اسوقت رے بالکل ویران ہوگیا اور اسکے قریب طہران آباد ہوگیا ہے جو شاہان قاچار کا دار السلطنت ہے۔

طیش مین آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب وداب باقی نہین رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہین مٹ سکتا تھا، ایرانی اسوقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچکر رک جائے گی۔ اس لیے انکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان کے واقعہ سے انکی آنکھین کھلین۔ ساتھہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہونچے، اس سے دفعۃً طبرستان۔ جرجان۔ دماوند۔ رے۔ اصفہان۔ ہمدان سے گذر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم مین آکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو دہرمز کا فرزند تھا، سرلشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس معرکہ مین درفش کاویانی جسکو عجم فال ظفر سمجھتے تھے، مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ عمار کا خط لیے ہوئے مسجد نبوی مین آئے۔ اور سب کو سنا کے کہا کہ گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانون کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگون کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبیداللہ نے اُٹھ کر کہا کہ "امیرالمومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہین جانتے کہ آپ جو حکم دین بجا لائین"۔ حضرت عثمان نے کہا کہ "میری رائے ہے کہ شام۔ یمن۔ بصرہ کے افسرون کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجین لیکر عراق کو روانہ ہون، اور آپ خود اہل حرم کو لیکر مدینہ سے اٹھین، کوفہ مین تمام فوجین آپ کے علم کے نیچے جمع ہون۔ اور پھر نہاوند کی طرف رُخ کیا جائے"۔ حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی چپ تھے۔ حضرت عمر نے انکی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجین

ہٹیں تو اِن مقامات پر سرحد کے دشمنون کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب مین ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہان سے نہ ہلین۔ اور شام۔ یمن۔ بصرہ وغیرہ مین فرمان بھیجدیے جائین کہ جہان جہان جس قدر فوجین ہین ایک ایک ثلث اِدھر روانہ کر دی جائین" حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن مین تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہین چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم مین سپہ سالار بنکر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہین آتا تھا جو لوگ اِس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات مین مصروف تھے۔

حضرت عمر کے مراتب کمال مین یہ بات بھی داخل ہے کہ انھون نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ مین تھے۔ چنانچہ اِس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھکر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی جمعیت سے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اِس فوج مین بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جنمین سے حذیفہ بن الیمان عبداللہ بن عمر۔ جریر بجلی۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہین۔ نعمان نے جاسوسون کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے ۹ میل اِدھر اسپدہان ایک مقام تھا وہان پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر نے یہ کی کہ فارس مین جو اسلامی فوجین موجود تھین انکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائین۔ اِسطرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے، سفیر بنکر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہناکر تخت زرپر بٹھایا۔ تخت کے دائین بائین ملک ملک کے شاہزادے دیباے زرکش کی قبائین۔ سر پر تاجِ زر، ہاتھون مین سونے کے کنگن پہنکر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیون کی صفین قائم ہوئین جنکی برہنہ تلوارون سے آنکھین خیرہ ہوئی جاتی تھین۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا "اہل عرب سب سے زیادہ بدبخت۔ سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہوسکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہین ابھی تمھارا فیصلہ کردیتے۔ لیکن مجھکو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمھارے ناپاک خون مین آلودہ ہون۔ اب بھی اگر تم یہان سے چلے جاؤ تو مین تمکو معاف کردون گا" مغیرہ نے کہا ہان ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک مین آکر ہمکو دولت کا مزہ پڑگیا اور یہ مزہ ہم سے اسی وقت چھوٹین گے جب ہماری لاشین خاک پر بچھ جائین"۔ غرض سفارت بیجا حاصل گئی۔ اور دونون طرف جنگ کی طیاریان شروع ہوگئین۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوے۔ ادھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیون نے میدانِ جنگ مین پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھادیے تھے جسکی وجہ سے مسلمانونکو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکلکر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھکر افسرون کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ راے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی راے کے موافق فوجین آراستہ ہوکر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہرین۔ اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہون۔

عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے،
جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے، قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے
ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہان تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے
ادھر جو فوجین جما رکھی تھین موقع کا انتظار کر رہی تھین۔ جون ہی عجمی زد پر آئے اُنھون نے حملہ کرنا
چاہا لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے، اس سے سیکڑون ہزارون مسلمان کام
آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے
تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر
کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے
غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج سر و سامان
سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگون نے تلوارین تول لین۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا۔ اور
اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتون کے پشتے لگ گئے۔ میدان مین اس قدر خون
بہا کہ گھوڑون کے پاؤن پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی
خود بھی گرے۔ اور زخمون سے چور ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے مین
پہچانے جاتے تھے۔ کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جون ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن
انکے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا۔ اور اُن کی کلاہ اور قبا پہن کر اُن کے گھوڑے پر
سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور
قائم رہی۔ اس مبارک زمانے مین مسلمانون کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا اندازہ

ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے، نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ مین مر بھی جاؤن تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہو، اتفاق سے ایک سپاہی اُن کے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہین، گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا۔ اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا اُنھون نے آنکھین کھولین اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُس نے کہا "مسلمانون کو فتح ہوئی" خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمرؓ کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیون کے پانون اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانون نے ہمدان تک تعاقب کیا۔

حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سرلشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا۔ یہان ایک مشہور آتشکدہ تھا۔ اس کا موبد حذیفہ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ مجھکو امن دیا جائے تو مین ایک متاع بے بہا کا پتہ دون۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کیے جسکو کسریٰ نے مشکل وقتون کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچوان حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت مین بھیجا، حضرت عمرؓ کو ہفتون سے لڑائی کی خبر نہین پہنچی تھی قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے، لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھکر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو مین نہین جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نجانے تو نجانے خدا انکو جانتا ہے۔" جواہرات کو دیکھکر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے

کھو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہات پر حضرت فاروق کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱ھ ۶۴۲ء

اِس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تھیں، عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصّہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصّہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھکر جو لڑائیاں ہوئیں، وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہمپر حملہ کر سکتے نہ ہم اُن پر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا، وہ ہمیشہ نئی فوجیں طیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ سے حضرت عمرؓ کو اِس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ "ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟" لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائیگا یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ تختِ کیان کا وارث موجود ہے

اُس وقت تک ان کی امیدین منقطع نہین ہوسکتین۔

اِس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکرکشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد عَلَم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کرکے مشہور افسرون کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا عَلَم احنف بن قیس کو۔ ساپور و اردشیر کا۔ مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا۔ عثمان بن العاص الثقفی کو فسا کا ساریہ بن زنیم الکنانی کو۔ کرمان کا سہیل بن عدی کو۔ سیستان کا۔ عاصم بن عمرو کو۔ مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ سنہ ۲۱ھ مین یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہین۔

فتوحات کے اِس سلسلے مین سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سنہ ۲۱ھ مین عبداللہ بن عبداللہ نے اِس صوبہ پر چڑھائی کی، یہان کے رئیس نے جسکا نام استندار تھا اصفہان کے نواح مین بڑی جمعیت فراہم کی تھی جسکے ہراول پر شہربراز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا، دونون فوجین مقابل ہوئین تو جادویہ نے میدان مین آکر پکارا کہ جس کو دعوی ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے، عبداللہ خود مقابلے کو نکلے، جادویہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہوگیا، استندار نے معمولی شرائط پر صلح کرلی، عبداللہ نے آگے بڑھکر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہان کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسرون کی جانین کیون ضائع ہون، ہم تم لڑکر خود فیصلہ کرلین، دونون حریف میدان مین آئے، فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا، عبداللہ نے اِس پامردی سے اُس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے مُنھ سے بے اختیار آفرین نکلی اور کہا کہ مین تم سے لڑنا نہین چاہتا۔ بلکہ شہر اِس شرط پر حوالہ کرتا ہون کہ باشندون مین سے

ہو چاہے جزیہ دیکر شہر مین رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبد اللہ نے یہ شرط منظور کی اور
معاہدۂ صلح لکھ دیا۔

اسی اثنا رمین یہ خبر لگی کہ ہمدان مین غدر ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ
کیا۔ انھون نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کیے لیکن جب محاصرہ
مین دیر لگی تو اضلاع مین ہر طرف فوجین پھیلا دین یہان تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات
فتح ہوگئے۔ یہ حالت دیکھکر محصورون نے بھی ہمت ہاردی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہوگیا لیکن
دیلم نے رے اور آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کرکے ایک بڑی فوج فراہم کی ایک طرف
سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا۔ انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان
سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رودبین یہ فوجین جمع ہوئین۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ
لوگون کو نہاوند کا معرکہ یاد آگیا، آخر دیلم نے شکست کھائی، عروہ جو واقعہ جسر مین حضرت عمرؓ
کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے، اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس دن کی تلافی ہوجائے
حضرت عمر دیلم کی تیاریان سنکر نہایت تردد مین تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعۃً
عروہ پہنچے۔ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہین، بے ساختہ زبان سے اِنّا للّٰہ نکلا۔ عروہ نے
کہا آپ گھبرائین نہین، خدا نے مسلمانون کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کرکے رے کو روانہ ہون
رے کا حاکم اُسوقت سیاوش تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اُس نے دنیاوند۔ طبرستان۔ قومس
جرجان کے رئیسون سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجین آئین لیکن زینبدی جسکو سیاوش

سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا۔ اُسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا، اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح ہوگیا۔ نعیم نے زینبدی کو رَےؔ کی ریاست دی اور یزدا نے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سر سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رَےؔ مین قیام کیا، اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا، اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہوگیا۔

آذربیجان[۱] ۔ سنہ ۲۲ھ
۶۴۳ء

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا علم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور اُنکے بڑھنے کی سمتین بھی متعیّن کردی تھین، بکیر جب میدانین پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوگیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام، عتبہ کا سدّراہ ہوا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور مین جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہون، چونکہ آذربیجان ابھی دونون بھائیون کے قبضے مین تھا، عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آذربیجان

[۱] نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے (سابق مین شہر مراغہ دارالصدر تھا۔) بروعہ اور اردبیل اسی صوبہ مین آباد ہین۔ آذربیجان کی وجہ تسمیہ مین دو روایتین ہین ایک یہ کہ آذرباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جسکا نام آذرآبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ کہ لغت پہلوی مین آذر کے معنی آتش کے ہین اور بائیگان کے معنی ہین محافظ یعنی نگاہ دارندۂ آتش چونکہ اس صوبہ مین آتشکدون کی کثرت تھی اسوجہ سے یہی نام ہوگیا جسکو عربون نے اپنی زبان مین آذربیجان کر لیا۔

کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا ہے، مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا، وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہان کے رئیس نے باجروان میمند سراۃ۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا، اور شکست کھائی۔ پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان وجیلانی پر حملہ کیا۔ اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثنا میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا۔ اور عتبہ بن فرقد انکی جگہ پر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان[1] سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو اُن کے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ وجدل کے قبضہ میں آ گیا۔ یہان سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہان کے رئیس روزبان سے نامہ وپیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور معاہدۂ صلح میں تصریح لکھدیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والون میں جو لوگ بیرونی حملون کے روکنے میں مسلمانون کا ساتھ دینگے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سنکر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر

[1] نقشہ میں صوبہ طبرستان فتوحات عثمانی میں ملیگا۔ اسلیے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسکی حدود اربعہ یہ ہین۔ مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربیجان۔ شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جیبل بسطام و استراباد اسکے مشہور شہر ہین۔

کے ساتھ دفعۃً شہر
سالانہ دیا کرے گا، اور مسلمانون کو اُن پر یا اُنکو مسلمانون پر کچھ حق نہوگا
کے حکم دیا کہ نئے
م کیا، اور اپنے

آرمینیہ[1]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کرکے باب کے ہر اپورا قبضہ ہوگیا
کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کرکے اُن کی مدد کو بھیجی، باب کا رئیس جسکا نام
تھا اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا مسلمانون کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھکو آن
سے کچھ ہمدردی نہین ہی، مین ایران کی نسل سے ہون اور جب خود ایران فتح ہوچکا بکیر کو بھیجا تھا
مطیع ہون، لیکن میری درخواست ہی کہ مجھ سے جزیہ نہ لیاجائے بلکہ جب ضرورت پیش یار نشا ہوا۔ اسفندیار
امداد لیجائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط علیہ کا سیدراہ
اس سے فارغ ہوکر فوجین آگے بڑھین۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ، بلنجر کی طرف جو مملکت خزر سے کہا
تھا، روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہی؟ ہم لوگ اپنے عہد مین اسی کو
غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھکر نہ آئین۔ عبدالرحمٰن نے کہا لیکن مین جب تک اس کے جگر
مین نہ گھس جاؤن باز نہین آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہوگیا۔
ادھر بکیر نے قان کو جہان سے اران کی سرحد شروع ہوتی ہی، فتح کرکے اسلام کی سلطنت مین ملالیا۔ حبیب
بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہان اسلام کا پھریرا اڑتا

---

[1] صوبہ آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہین جو ایشیای کوچک کا ایک حصہ ہی، شمال مین بحر اسود، جنوب مین کوہی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہی مشرق مین گرجستان اور مغرب مین بلاد روم واقع ہین، چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی مین کامل فتح ہوا تھا اسلیے نقشہ مین فاروقی رنگ سے جدا ہے

کا رئیس رہا، خلافت کا زمانہ ہوچکا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

وہ نہاوند سے

فارس ۲۳ھ ۶۴۴ء

ہراۃ، سبزہ

پر صلح ہوگئی۔ پر اگرچہ اوّل اوّل ۱۷ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور
اسی ابتدا ان کامیابی ہوئی ہمنے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب نہ سمجھا
مقرر ہوئے ہوا از جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہوچکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے
علبہ نے وہ ہان پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء
ا سنہ ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلے کے آدمی تھے، اور چونکہ
ا سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں اُن سے بڑھکر قدم مارنا چاہتے
ہم اللہ جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا، یہانتک کہ دربارِ خلافت سے اجازت
تک نہ لی اور فوجیں طیار کرکے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سرلشکر تھے اور جارود
بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچکر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں
کنارے پر اتریں، یہان کا حاکم ایک ہیربد تھا، وہ ایک انبوہ کثیر لیکر پہنچا اور دریا اترکر اس پار صفیں
قائم کین کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا
دشمن کے قبضہ میں آگئے تھے لیکن سپہ سالارِ فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ

---

[۱] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہمنے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے
شمال میں اصفہان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان، اور مغرب میں عراق عرب، اسکا سب سے بڑا مشہور شہر شیراز ہے۔

کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازون کو چھیننا چاہا ہے، لیکن خدانے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھکر لڑے۔ اور ہزارون کو تہ تیغ کیا، خلید کا رجز یہ تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع قد حفل الامداد بالجراع

وکلهم فی سنن المصاع بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانون کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیے تھے، مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے اُدھر بھی راہین بند تھین، ایرانیون نے پہلے ہے طرف ناکے روک رکھے تھے، اور جا بجا فوجین متعین کر دی تھین۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے، علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانون کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابو سبرہ تھے طیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہان رکے پڑے تھے وہان پہنچکر ڈیرے ڈالے، اُدھر مجوسیون نے ہر طرف نقیب دوڑا دیے تھے اور ایک انبوہ کثیر جسکا سر لشکر شہرک تھا اکھٹا کر لیا تھا۔ دونون حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعۂ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجین روانہ کین تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجین متعین

کین۔ پارسیون نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہان بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجین مختلف مقامات مین پھیل گئین تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا، اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اردشیر۔ توج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہوگئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ مین جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرۂ ابرکاوان فتح کرکے توج پر بڑھے، اور اسکو فتح کرکے وہین چھاونی ڈال دی۔ مسجدین تعمیر کین۔ اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے۔ یہان سے کبھی کبھی اُٹھکر سرحدی شہرون پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے۔ اس طرح اردشیر۔ سابور۔ اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک یہ دیکھکر نہایت طیش مین آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کرکے توج پر بڑھا۔ راشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھکر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پانون ہٹائے تو وہین قتل کردیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیون کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمانؓ نے ہر طرف فوجین بھیجدین۔ (اس معرکہ سے تمام فارس مین دھاک بڑگئی۔ عثمانؓ نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون۔ نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہین۔ خود عثمانؓ کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا۔ دارابجرد۔ وغیرہ پر فوجین گئین اور کامیاب آئین۔

کرمان سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے - چنانچہ سنہ ۲۳ھ مین ایک فوج لے کر جسکا ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری مین تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے - یہان کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدان جنگ مین نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا - چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجین بڑھتی چلی گئین - اور بیشمار اونٹ، اور بکریان غنیمت مین ہاتھ آئین - جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا -

سیستان سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا - باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے - عاصم برابر بڑھتے چلے گئے - یہان تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے - محاصرہ کیا - محصورون نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حمے

۱؎ اسکا قدیم نام کرمانیہ ہی حدود اربعہ یہ ہین - شمال مین کوہستان - جنوب مین بحر عمان - مشرق مین سیستان اور مغرب مین فارس ہے زمانہ سابق مین اسکا دارالصدر کواسیر (بردسیر) تھا جسکی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۲؎ سیستان کو عرب سجستان کہتے ہین - حدود اربعہ یہ ہین - شمال مین ہرات - جنوب مین مکران - مشرق مین سندھ اور مغرب مین کوہستان - مشہور شہر زرنج ہے جہان میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے - رقبہ ۰۰۰ ۵ مربع میل ہے -

سمجھی جائے۔ مسلمانون نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گذر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اِس ملک کے قبضے مین آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے، انکی فتح کی کلید ہاتھ مین آگئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکون پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران[1]۔ سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے، چنانچہ سنہ ۲۳ھ مین روانہ ہوکر نہر مکران کے اسطرف فوجین اتارین، مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا۔ اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی، اور مکران پر قبضہ ہوگیا۔ حکم نے نامۂ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ مین آئے تھے، دربار خلافت مین بھیجے۔ صحار عبدی جو نامۂ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انھون نے کہا ارض سھلھا جبل وماءھا وشل وتمرھا دقل وعدوھا بطل وخیرھا قلیل وشرھا طویل والکثیر بھا قلیل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان مین قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ اُنھون نے کہا مین واقعی حالات بیان کرتا ہون۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ فوجین جہان تک پہنچ چکی ہین، وہین رک جائین۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے

---

[1] آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہی اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہی مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہی اس لیے ہمنے بھی نقشہ مین فتوحات فاروقی کی وہین تک حد قرار دی ہی۔

مورّخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجین آئین۔ اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کے عہد مین اسلام کا قدم سندھ و ہند مین بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۲ھ مطابق ۶۴۴ء

اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسرون کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان مین احنف بن قیس بھی تھے، اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۲ھ مین خراسان کا رُخ کیا طبسین ہو کر ہرات پہنچے، اور اسکو فتح کرکے مرو شاہجہان پر بڑھے، یزدگرد شاہنشاہ فارس یہین مقیم تھا۔ ان کی آمد سنکر مرو رود چلا گیا، اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے، احنف نے مرو شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہان سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا، اس اثنا مین کوفہ سے امدادی فوجین آگئین جس سے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمۃ بن النضری۔ ربعی بن عامر التیمی۔ عبد اللہ بن ابی عقیل الثقفی ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت مین چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجین بھیجدین اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کرلیا، مرو رود کو تخت گاہ قرار دیکر مقام کیا

ۃ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر۔ فرغانہ۔ خوارزم۔ طخارستان اور سیستان رقبۂ خراسان مین داخل تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اسکے حدود ہر زمانے مین مختلف رہے ہین۔ اس کے مشہور شہر نیشاپور۔ مرو۔ ہرات۔ بلخ۔ طوس۔ نسا اور ابی ورد وغیرہ تھے جنمین سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہین۔

اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ مین آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چندان پسند نہین کرتے تھے خط پڑھکر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ مین آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلون کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیون کا سرتاج ہے تاہم جواب مین جو نامہ لکھا اس مین لکھا کہ جہان تک پہنچ چکے ہو وہان سے آگے نہ بڑھنا۔ ادھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ مین مقیم تھے خاقان کی آمد سنکر مرورود کو روانہ ہوئے۔ اور وہان پہنچکر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مروشاہجہان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان مین مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، نہر اتر کر ایک میدان مین جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونون فوجین مدت تک آمنے سامنے صفین جمائے پڑی رہین لیکن صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ مین جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہین دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے ترکون کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ مین باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہین پھر سارا لشکر جنبش مین آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان جنگ مین گئے۔ ادھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک رد و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش مین آکر کہا

ان علی کل رئیس حقا ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان مین آئے۔ اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے

خاقان جب خود میدان مین آیا تو اپنے بہادرون کی لاشین میدان مین پڑی دیکھین، چونکہ شگون بُرا تھا، نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ پرایا جھگڑا کیون مول لین چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد۔ مرو شاہجہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی فتح سے نا امید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریون نے یہ دیکھکر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کرکے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا، اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ مین جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیون کو جمع کرکے مژدۂ فتح سنایا اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر مین فرمایا کہ آج مجوسیون کی سلطنت برباد ہوگئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہین پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نرہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسرون کے ہاتھ مین دیدیگا۔

مصر کی فتح۔ سنہ ۲۰ھ
۶۴۱ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارنامون مین داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اُس زمانے مین مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی اُن کے دل مین نہ گزرا ہوگا لیکن اسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظر مین پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس مین

یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر اُن کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس مین آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد مین آ چکے۔[1]

غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے، یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہی اور گو اب ویران پڑا ہی لیکن اُس زمانے مین آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارتگاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہان سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مہینے تک معرکۂ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیون نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چلکر بلبیس، اور اُم دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے، فسطاط اُس زمانے مین کف دست میدان تھا، اور اُس قطعۂ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ مین واقع ہے اور جہان اُس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہان سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر مین رہتے تھے یہین رہا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات و کشتیان قلعہ کے دروازے پر آ کر لگتی

[1] مقریزی وغیرہ مین لکھا ہی کہ قاصد مقام رفح مین عمروؓ سے ملا۔ انھون نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہین لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہی منزل پر پہنچکر لے لون گا، عریش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھکر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہی کہ "مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا لیکن ہم تو مصر کی حد مین آ چکے" لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہی! اولاً تو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہی کہ خط انکو عریش ہی مین ملا لیکن رفح مین ملا ہو تب بھی کچھ حرج نہین کیونکہ رفح خود مصر مین داخل ہی

تھین۔ ان وجوہ سے سرکاری ضرورتون کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اوّل اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریان شروع کین۔

مقوقس جو مصر کا فرمان روا اور قیصر کا باج گزار تھا، عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ مین پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھکر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی، انھون نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط مین لکھا کہ ان افسرون مین ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمر۔ سلمہ بن مخلّد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے انکو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات انکے ہاتھ مین دیدیے۔ انھون نے گھوڑے پر سوار ہوکر خندق کے چارون طرف چکر لگایا اور جہان جہان مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعیّن کیے، اسکے ساتھ منجنیقون سے پتھر برسانے شروع کیے، اسپر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہوا، زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج مین مسلمانون پر فدا ہوتا ہون، یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ مین لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی عیسائی یہ سمجھکر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہوکر بھاگے۔ ادھر زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھکر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیون نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی، عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگون کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمروؓ نے اُن لوگون کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیون پر بیٹھے، کھانے مین خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمروؓ نے پہلے سے حکم دیدیا تھا سادہ عربی لباس مین تھے، اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے، کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربون نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیان شوربے مین ڈبو کر اس زور سے دانتون سے نوچتے تھے کہ شوربہ کی چھینٹیں اُڑ کر رومیون کے کپڑون پر پڑتی تھین۔ کھانے کے بعد رومیون نے کہا وہ لوگ کہان ہین جو کل ہماری دعوت مین شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمروؓ نے کہا "وہ اہل الرّاے تھے، اور یہ سپاہی ہین"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدۂ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اُس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربون کا مقابلہ نہین کرسکتے تھے تو رومیون کی تعداد کیا کم تھی، اُسیوقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانون کے مقابلے کیلیے طیّار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ ، ۶۴۲-۶۴۱ء

فسطاط کی فتح کے بعد عمروؓ نے چند روز تک یہان قیام کیا اور یہین سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہوچکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجین بڑھائی جائین۔ وہان سے منظوری آئی۔ عمروؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمروؓ کے خیمہ مین ایک کبوتر نے گھونسلا لگایا تھا خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمروؓ کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہین رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی مین خیمہ کو فسطاط کہتے ہین اور عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اسلیے خود شہر

بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال سنہ ۲۱ھ مین عمرو نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مین رومیون کی جو آبادیان تھین انھون نے سدّ راہ ہونا چاہا، چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جسمین ہزارون قبطی بھی شامل تھے۔ فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانون کو وہین روک لین۔ مقام کریون مین دونون حریفون کا سامنا ہوا مسلمانون نے نہایت طیش مین آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن رومیون کے ڈر سے نہین کرسکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لیے صلح ہوجائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانون کے مرعوب کرنے کے لیے شہر کے تمام آدمیون کو حکم دیا کہ ہتیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانون کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہون۔ عورتین بھی اس حکم مین داخل تھین اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکین، انھون نے شہر کی طرف منھ کرلیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ "ہم تمھارا مطلب سمجھے لیکن تمکو معلوم نہین کہ ہمنے اب تک جو ملک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہین کیے۔ تمھارا بادشاہ ہرقل جس سروسامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تمکو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہین"[1]۔ مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہین جنھون نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا"۔ اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا، اور لڑائی کی طیّاریان شروع کین۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُسنے عمرو سے اقرار لے لیا تھا، کہ چونکہ مین رومیون سے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۲۰۔

الگ ہون۔ اِس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے" قبطیون نے صرف یہی نہین کیا، کہ اس معرکہ مین دونون سے الگ رہے۔ بلکہ مسلمانون کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلون کی مرمت کرتے اور سڑکین بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ مین بھی رسد وغیرہ کا انتظام انھی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکلکر کہا کہ جسکو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا اٹرھایا۔ رومی نے انکو زمین پر دے ٹپکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نکر کے کہا کہ "زنخون کو میدانِ جنگ مین آنے کی کیا ضرورت ہے" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانون نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیون کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن مین معرکہ رہا۔ آخر مین رومیون نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانون کو قلعہ سے باہر نکالکر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیون نے ان لوگون کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگون نے مردانہ جان دینی چاہی تو انھون نے کہا کہ دونون طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے، اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تمکو چھوڑ دین گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمھارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے

نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام مین خلل ہوگا۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے، بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہین ڈھیر ہوکر رہ گیا۔ رومیون کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان مین کوئی سردار ہے۔ انھون نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انھون نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا[1]۔

محاصرہ جسقدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہان رہ کر عیسائیون کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح مین اس قدر دیر نہ ہوتی جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کرکے جہاد پر خطبہ دو، اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنکو مین نے افسر کرکے بھیجا تھا فوج کے آگے ہون اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے"۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کرکے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسون رسول اللہؐ کی صحبت مین رہے تھے بلاکر کہا کہ اپنا نیزہ مجھکو دیجیے۔ خود سر سے عمامہ اتارا۔ اور نیزہ پر لگا کر انکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے۔ اور آج آپ سپہ سالار ہین۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا۔ غرض اس سر و سامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ مین شہر فتح ہوگیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلاکر کہا کہ جسقدر تیز جاسکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت مین جانے

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۴-۱۶۵-جلد اوّل۔

پہلے سیدھے مسجد نبوی کا رُخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر کی لونڈی اُدھر آنکلی اور انکو مسافر کی ہیئت مین دیکھکر پوچھا کہ کون ہو؟ اور کہان سے آئے ہو؟ انھون نے کہا اسکندریہ سے اُس نے اُسی وقت جاکر خبر کی، اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تمکو امیر المومنین بلاتے ہین، حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہین کر سکتے تھے۔ خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سنکر زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اُٹھکر مسجد مین آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ امنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ وہان سے اُٹھکر حضرت عمر کے ساتھ اُن کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے، وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیون نہین چلے آئے؟ انھون نے کہا مین نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے، شاید آپ سوتے ہون، فرمایا کہ افسوس! تمھارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ مین دن کو سوؤنگا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔[1]

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہان شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کیے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتین طیار کرائین تفصیل اس کی دوسرے حصے مین آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہین رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع مین رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجین روانہ کین کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال

---

[1] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے۔

نہ رہ جائے چنانچہ خارجہ بن حذافۃ العدوی - فیوم - اشمونین - اخمیم - بشرودات - معید اور اس کے تمام مضافات مین چکر لگا آئے، اور ہر جگہ لوگون نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا - اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس - دمیاط - تونہ - دمیرہ - شطا - وقہلہ - بنا - بوہیر - کو مسخر کیا - عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے[1]۔

چونکہ ان لڑائیون مین نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے، حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ ان کو اختیار ہے مسلمان ہو جائین یا اپنے مذہب پر قائم رہین، اسلام قبول کرین گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہون گے جو مسلمانون کو حاصل ہین - ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیون سے لیا جاتا ہے - عمرو نے تمام قیدی جو تعداد مین ہزارون سے زیادہ تھے ایک جا جمع کیے عیسائی سردارون کو بھی طلب کیا - اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے بیچ مین قیدیون کا گروہ تھا - فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیون نے جو مسلمانون مین رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے - جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے نچھے جاتے تھے - اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیون مین مبارک کا غل پڑتا تھا - اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتون کے آنسو نکل پڑتے تھے - دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا - اور دونون فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب آئے[2]۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ - [2] طبری صفحہ ۲۵۸۲ - ۲۵۸۳

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء

(کل مدتِ خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن۔)

مدینۂ منورہ مین فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابولولو تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہؓ نے مجھپر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اُسنے کہا روزانہ دو درھم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے، بولا کہ "نجاری۔ نقاشی آہنگری" فرمایا کہ ان صنعتون کے مقابلہ مین یہ رقم کچھ بہت نہین ہے" فیروز دل مین سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد مین آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفین درست کرین۔ جب صفین سیدھی ہو چکتی تھین تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفین درست ہو چکین۔ تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑھے۔ اور جون ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعۃً گھات مین سے نکل کر چھ وار کئے جنمین سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے اس حالت مین نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگون کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا۔ اور ساتھ ہی اُس نے خودکشی کر لی۔
حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انھون نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا"

لوگون نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ "الحمد للہ کہ مین ایسے شخص کے ہات سے نہین مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا" لوگون کو خیال تھا کہ زخم چندان کاری نہین ہو۔ غالباً شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا۔ اس نے نبیذ اور دودھ پلایا۔ اور دونون چیزین زخم کی راہ باہر نکل آئین۔ اُس وقت لوگون کو یقین ہو گیا کہ وہ اِس زخم سے جانبر نہین ہو سکتے۔ چنانچہ لوگون نے اُن سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جایئے"۔

حضرت عمرؓ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو مین دفن کیا جائے"۔ عبد اللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھین۔ حضرت عمر کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ "اس جگہ کو مین اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج مین عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دونگی"۔ عبد اللہ واپس آئے۔ لوگون نے حضرت عمرؓ کو خبر کی، بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھون نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اُس وقت اسلام کے حق مین جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملے پر مدتون غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگون نے انکو اِس حالت مین دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہین۔ اور کچھ سوچ رہے ہین۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب مین غلطان پیچان ہین۔

مدت سے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُن کے منھ سے

بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اس بارگران کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہین آتا۔ تمام صحابہ مین اُسوقت چھ شخص تھے جنپر انتخاب کی نگاہ پڑسکتی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمرؓ ان سب مین کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے[1]۔ اور اس کا انھون نے

---

[1] حضرت عمرؓ نے اور بزرگون کی نسبت جو خردہ گیریان کین، گو ہمنے انکا ادب سے نہین لکھا لیکن ان مین جائے کلام نہین۔ البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخون مین منقول ہے یعنی یہ کہ "انکے مزاج مین ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اُسیقدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح انکے آگے سر نہین جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت مین نقل کیے ہین۔ ہم ان کو اس موقع پر اسلیے درج کرتے ہین کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ۔ کیون عبداللہ ابن عباس علی ہمارے ساتھ کیون نہین شریک ہوئے۔؟

عبداللہ بن عباس۔ مین نہین جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ تمھارے باپ رسول اللہؐ کے چچا، اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمھاری قوم تمھاری طرفدار کیون نہین ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ مین نہین جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ لیکن مین جانتا ہون۔ تمھاری قوم، تمھارا سردار ہونا گوارا نہین کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیون؟

مخالفت موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں
مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے

متعلقہ صفحہ (۲۰۳) حضرت عمرؓ۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں
شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تمکو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تمکو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہوتا

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گذریں۔ کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ کیوں عبداللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اسکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ۔ میں نے سنا ہی کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ ظلماً کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا۔ اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہی؟

حضرت عمرؓ، افسوس۔ خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ، ایسی بات نہ کہیے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱۔

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری

انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہین کر سکتے تھے[1]

غرض وفات کے وقت جب لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "اِن چھ شخصون مین جس کی نسبت کثرت راے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے"

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت مین جہان تک انکی قوت اور حواس نے یاری دی اِسی دُھن مین مصروف رہے، لوگون کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو، اسکو مین وصیت کرتا ہون کہ پانچ فرقون کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین[1] - انصار[2] - اعراب[3] - وہ اہل عرب[4] جو اور شہرون مین جا کر آباد ہو گئے ہین - اہل ذمہ[5] (یعنی عیسائی - یہودی - پارسی - جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی - چنانچہ اہل ذمہ کے حق مین جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "مین خلیفۂ وقت کو وصیّت کرتا ہون کہ" وہ خدا کی ذمّہ داری اور رسول اللہؐ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے - اُنکے دشمنون سے لڑا جائے - اور ان کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی - عبد اللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ "مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم - فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے - اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم مین پھیلانا چاہتے تھے -

[1] طبری صفحہ ۲۷۷۷ -

توبہتر ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا، اور اگر وہ بھی پورا نہ کرسکین تو کُل قریشؓ سے لیکن قریش کے علاوہ اور ون کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، (دیکھو کتاب المناقب باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبّہ نے کتاب المدینہ مین بسندِ صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ "عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُنکے ایک وارث نے اپنے حصّۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا۱"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السّلام اور باب الرحمة کے بیچ مین واقع تھا اور اِس مناسبت سے کہ اُس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصة الوفا فی اخبار دار المصطفےٰ مین یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۲۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نمازِ جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمنؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ عبد الرحمن بن عوفؓ نے قبر مین اُتارا۔ اور وہ آفتاب عالمتاب خاک مین چھپ گیا۔

---

۱ دیکھو فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۳ ۲ دیکھو کتاب مذکور مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹۔

سلسلۂ

نامورانِ اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصّل سوانح عمری کا

حصّہ دوم

جسمین اوّل حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر اُنکے ذاتی اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہی اور خصوصًا اُنکے مجتہدانہ کارنامون کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

مؤلفہ
شبلی نعمانیؒ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

[illegible] مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصۂ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے مین تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو، اُس سے تمہارے دل پر اُس عہد کے مسلمانون کے جوش، ہمت، عزم، واستقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا لیکن اسلاف کی داستان سننے مین تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفۂ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورّخ کے دل مین فوراً یہ سوالات پیدا ہون گے کہ چند صحرانشینون نے کیونکر فارس وروم کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنےٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر وچنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہین دی جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اُس مین فرمان روائے خلافت کا کتنا حصّہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہین، لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتادینا ضرور ہے کہ فتوحاتِ فاروقی کی وسعت اور اُس کے حدود اربعہ کیا تھے؟

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکۂ معظمہ سے شمال کی جانب

۱۰۳۶۔ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۔ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اس لیے وہ قابلِ ذکر نہیں۔

اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیہ۔ آذربایجان۔ فارس کرمان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہلِ عرب رُوم کہتے ہیں سنہ ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اسکی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مورخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اُس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوجِ اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظامِ سلطنت بالکل درہم و برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انھی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اَدَل بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے میں عنانِ حکومت چھ سات فرمان رواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا، جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا، نوشیروان نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرّض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں

مین نسطورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت مین پناہ نہین ملتی تھی، وہ بھی اسلام کے سایہ مین آکر مخالفون کے ظلم وستم سے بچ گیا۔ اِس طرح مسلمانون کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت مین ہات آگئی۔

رُوم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی، اِس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنون زورون پر تھے، اور چونکہ اِس وقت تک مذہب کو نظام حکومت مین دخل تھا اِس لیے اِس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یورپین مورخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہین لیکن جس قدر واقعیت ہے، اُس سے زیادہ طرزِ استدلال کی ملمع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے، بے شبہہ اُس وقت فارس وروم کی سلطنتین اصلی عروج پر نہین رہی تھین لیکن اس کا صرف اِس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نکر سکتین۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پُرزے پرزے ہو جاتین، روم وفارس گو کسی حالت مین تھے تاہم فنونِ جنگ مین ماہر تھے۔ یونان مین خاص قواعدِ حرب پر جو کتابین لکھی گئی تھین اور جواب تک موجود ہین، رومیون مین ایک مُدّت تک انکا عملی رواج رہا اس کے ساتھ رسد کی فراوانی۔ سروسامان کی بہتات آلات جنگ کے تنوع، فوجون کی کثرت مین کمی نہین آئی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی ملک پر چڑھکر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک مین، اپنے قلعون مین اپنے مورچون مین رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی، مسلمانون کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد مین جو ایران کی شوکت وشان کا عین شباب تھا، قیصر روم نے ایران

پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیون نے نے چھین لیے تھے واپس لیے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران مین خسرو پرویز تک تو عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے مین ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہان تک کمزور ہو سکتی تھی؟ البتہ تخت نشینون کی اُدل بدل سے نظام مین فرق آ گیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ۔ فوج اور محاصل مین کوئی کمی نہین آئی تھی، اس لیے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریون نے اصلاح کیطرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران مین موجود تھا لیکن ہمکو تمام تاریخ مین اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہین ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطورین کی کوئی اعانت ہمکو معلوم نہین۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ مین خود یورپین مورخون نے کہین نہین بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجین جو مصر و ایران و روم کی جنگ مین مصروف تھین اُنکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنونِ جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جسمین عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ چلتہ۔ جوشن بکتر۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ جھلم۔ موزے۔ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوسِ جنگ[1] تھا۔ اس مین سے عربون کے پاس صرف زرہ تھی۔ اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب

---

[1] ابن قتیبہ نے اخبار الطوال مین لکھا ہے کہ یہ چیزین ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھین۔

لوہے کے بجاے لکڑی کی تھی۔ آلاتِ جنگ مین سے گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ مین ایرانیون نے جب پہلی پہل انکو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہین۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانون مین اُسوقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی۔ دلیری پیدا ہوگئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا، روم و فارس کی سلطنتین عین عروج کے زمانے مین بھی اسکی ٹکر نہین اُٹھا سکتی تھین، البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزین آ گئی تھین جنھون نے فتوحات مین نہین بلکہ قیامِ حکومت مین مدد دی۔ اُنمین سب سے مقدم چیز مسلمانون کی راستبازی اور دیانتداری تھی جو ملک فتح ہوجاتا تھا وہان کے لوگ مسلمانون کی راستبازی سے اسقدر گرویدہ ہوجاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہین چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے مین مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ "خدا تمکو پھر اس ملک مین لائے" اور یہودیون نے توریت ہاتھ مین لیکر کہا کہ "ہمارے جیتے جی قیصر اب یہان نہین آسکتا"

رومیون کی حکومت جو شام و مصر مین تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اِس لیے رومیون نے مسلمانون کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا اُن کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانون نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہان سلطنت کے

نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبون کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لیے نہین بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لیے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس مین ہر قدم پر مسلمانون کو مزاحمتین پیش آئین، لیکن عام رعایا وہان بھی مسلمانون کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لیے فتح کے بعد بقائے حکومت مین ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانون کا اوّل اوّل حملہ شام و عراق پر ہوا۔ ان دونون مقامات مین کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام مین دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق مین لخمی خاندان والے در اصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربون نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اوّل اوّل مسلمانون کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائگان نہین جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانون کے دست و بازو بن گئے۔ شام مین بھی آخر عربون نے اسلام قبول کر لیا۔ اور رومیون کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہان بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونون نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کین لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ

۱؎ آگے چلکر ایک موقع پر ہمنے اُن کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہین۔

وہان کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریون کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے۔ اس کے ساتھ ۴۰ ہزار باشندون کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے اُن مین ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس مین جب اصطخر کو فتح کیا۔ تو تمام مردون کو قتل کرا دیا اسی طرح کی اور بھی بے رحمیان اُس کے کارنامون مین مذکور ہین۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہین۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتین بھی دیرپا نہ ہوئین۔ لیکن فوری فتوحات کے لیے اس قسم کی سفاکیان کارگر ثابت ہوئی ہین۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لیے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہین رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور، نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہین سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات مین کبھی سرِمو قانون انصاف سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا۔ آدمیون کا قتل عام ایک طرف درختون کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچون اور بوڑھون سے بالکل تعرض نہین کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکۂ کارزار کے کوئی شخص قتل نہین کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہین کی جا سکتی تھی افسرون کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا[۱]۔ یعنی دشمن تمسے لڑائی کرین تو اُن سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰

یکان نہ کاٹو کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر درگذر کی جاتی تھی یہانتک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہان سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیون کو سازش اور بغاوت کے جرم مین نکالا تو اُن کی مقبوضہ آراضیات کا معاوضہ دیدیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ جدھر سے اُن لوگون کا گذر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دیجائے اور جب یہ کسی شہر مین قیام اختیار کرین تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہین کہ دنیا مین اور بھی ایسے فاتح گذرے ہین۔ ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگذر کے ساتھ دنیا مین کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر۔ اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ مین شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے۔ اسکی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان مین اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت مین ایک دفعہ بھی کسی جنگ مین شریک نہین ہوئے۔ فوجین ہر جگہ کام کر رہی تھین البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ مین رہتی تھی۔

ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح

تھین کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگون نے جو ممالک فتح کیے وہان کوئی نظم حکومت نہین قایم کیا، برخلاف اس کے فتوحات فاروقی مین یہ استواری تھی کہ جو ممالک اسوقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے مین ہین اور خود حضرت عمرؓ کے عہد مین ہر قسم کے ملکی انتظامات وہان قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات مین حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام راے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات مین خلیفۂ وقت کی چندان تخصیص نہ تھی، اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہین۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے مین بھی تو آخر وہی مسلمان تھے، لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہہ برقی قوت ہین لیکن یہ قوت اسی وقت کام دے سکتی ہے جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہین، واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہین۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشارون پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب مین آگے چلکر جب تم مفصل طور پر پڑھوگے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقین، بارکون کی تعمیر۔ گھوڑون کی پرداخت۔ قلعون کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملون کی تعیین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال۔ یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کیے۔ اور اُن کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ

کرلوگے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہین دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات مین حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا۔ اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے، فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتین بھیجین جس قدر افسر جن جن کامون پر مامور ہوئے تھے۔ ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری مین عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دور سے تمام فوجون کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشارون پر ہوتا ہے۔

ان تمام لڑائیون مین جو دس برس کی مدت مین پیش آئین سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیون نے فارس کے صوبجات مین ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک مین آگ لگا دی تھی۔ اور لاکھون فوج مہیا کر کے مسلمانون کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والون کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونون معرکون مین صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گران کے پرخچے اڑا دیے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے مین لکھ آئے ہین۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعوے صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص **فاروق اعظم** کے برابر فاتح اور کشورستان نہین گذرا۔

نظام حکومت

اسلام مین خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین پڑی۔ لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی دوسالہ خلافت مین اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا، یعنی عرب کے مرتدون کا خاتمہ ہوگیا، اور بیرونی فتوحات شروع ہوئین۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہین قائم ہوا، اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لیے کافی ہوسکتا تھا، حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسرے کی وسیع سلطنتین ٹوٹ کر عرب مین مل گئین، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہین سب وجود مین آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائین پہلے یہ بتانا چاہیئے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر، جمہوری یا شخصی دونون مین سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہین ہوسکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف

اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات پر تھا یا عام راے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اُسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہان تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہی کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائین اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اِس کے شخصی سلطنت مین تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اِس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہین۔

(۱) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتین کام مین آئین صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے،

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ دارون کے اور لوگون کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہین ہوتا اس لیے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

(۳) مختلف فرقون اور جماعتون کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہین ہوتی کیونکہ جن لوگون کو اُن حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت مین دخل نہین ہوتا اور جن لوگون کو دخل ہوتا ہے ان کو غیرون کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہین ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔

چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کامون مین دخل دینے کا مجاز نہین ہوتا اس لیے قوم مین ذاتی اغراض کے سوا قومی کامون کا مذاق معدوم ہوجاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہین اور کبھی اس سے جدا نہین ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت مین اس کے برعکس نتائج ہون گے، اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لیے عرب مین جو حکومت قائم ہوئی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب مین مدت سے تین وسیع حکومتین موجود تھین لخمی۔ حمیری۔ غسّانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھین۔ قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کیے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی۔ بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالارون یا قاضیون کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہین کیا کیونکہ گو ان کا انتخاب کثرت راے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا فلا یغترنّ امرءٌ ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا[1] وانھا قد کانت کذلک لکن اللہ وقی شرھا۔

حضرت عمرؓ کے گردوپیش جو سلطنتین تھین وہ بھی جمہوری نہ تھین۔ ایران مین تو سرے سے

[1] دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ بار دوم صفحہ ۱۰۰۹۔

کبھی یہ مذاق ہی نہین پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے مین اِس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہان شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے مین تو وہ بالکل ایک جابرانہ خودمختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتّب نہ ہو سکے تاہم جو چیزین حکومتِ جمہوری کی روح ہین اسب وجود مین آگئین۔ ان مین سب کے اصل الاصول مجلس شورے کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شورے کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت راے کے عمل مین نہین آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام مین اس وقت دو گروہ تھے۔ جو کُل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائمقام تسلیم کرلیا تھا یعنی مہاجرین و انصار۔ مجلس شورے[1] مین ہمیشہ لازمی طور پر ان دونون گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلون مین منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونون خاندان کا مجلس شوری مین شریک ہونا ضرور تھا۔ مجلس شورے[1] کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہین بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ اس مین شامل[1] تھے مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصّلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائین۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی مین

حضرت عمر کی خلافت مین مجلس شورے (کونسل)

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔ مطبوعۂ حیدرآباد۔

جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔[1]

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرّہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات، فوج کی جاگیریں دیدیے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں سے ۵ شخص قبیلہ اوس اور ۵ قبیلہ خزرج کے تھے شریک ہوئے کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی[2] اس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم۔ ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای۔

سنہ ۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفۂ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۴۵۷۔ [2] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں ہے۔

بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ، طلحہ بن عبد اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریرین کین اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہین۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگون کی تائید مین تقریر کی۔ غرض کثرت راے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمرؓ موقع جنگ پر نہ جائین اسی طرح **فوج کی تنخواہ۔ دفتر کی ترتیب۔ عمّال کا تقرر۔ غیر قومون کو تجارت کی آزادی اور اُنپر محصول کی تشخیص** اس قسم کے بہت سے معاملات ہین جن کی نسبت تاریخون مین بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ مین پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریرین کین وہ بھی تاریخون مین مذکور ہین۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد۔ اور اہل الراے کی مشورت۔ استحسان و تبرّع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعون پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہین، ان کے خاص الفاظ یہ ہین لاخلافۃ الاعن مشورۃ[1]

مجلس شورے کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتون کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہان روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس مین شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبرین جو دربار خلافت مین پہونچتی تھین حضرت عمرؓ ان کو اس مجلس مین بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اُس مین

ایک اور مجلس

[1] کنز العمال بحوالہ مصنف بن ابی شیبۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹

لوگون سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیون پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اوّل اسی مجلس مین پیش ہوا تھا۔ مورّخ بلاذری نے اِس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے مین اِن الفاظ مین لکھا ہے۔

کان للمهاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معهم فیه ویحدثهم عما ینتهی الیه من امر الآفاق فقال یوما ما ادری کیف اصنع بالمجوس۔

عام رعایا کو مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور مین مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل مین آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام مین جب عمّال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینون صوبون مین احکام بھیجے کہ وہان کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجین جو اُن کے نزدیک تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد۔ بصرہ سے حجاج بن علاط۔ شام سے معن بن یزید کو لوگون نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمرؓ نے انھین لوگون کو اِن مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اِس واقعہ کو جن الفاظ مین بیان کیا ہے یہ ہین۔

کتب عمر بن الخطاب الی اهل الکوفة یبعثون الیه رجلا من اخیرهم واصلحهم والی اهل البصرة کذلک والی اهل الشام کذلک قال فبعث الیه اهل الکوفة عثمان بن فرقد وبعث الیه اهل الشام معن بن یزید و

بعث الیہ اهل البصرة الحجاج بن علاط کالهم سلیمان قال فاستعمل کل واحد منهم علی خراج ارضه[1]

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگون نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت مین ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتین آتی تھین جنکو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے۔ اور داد رسی چاہی جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعون پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہانتک کہ خاص اس کے لیے مجمع عام مین خطبہ پڑھا۔ فرمانون مین تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمال سلطنت کو حج کے مجمع عام مین طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل قانون کے بیان مین آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق مین سب کے ساتھ مساوی ہونا۔

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق مین عام آدمیون کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی مین سے

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت مین اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اُس کے اختیارات محدود ہون، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت مین اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے۔ اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انھون نے متعدد موقعون پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہین؟ ایک موقع پر اُنھون نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی۔ اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہین۔

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت	مجھکو تمہارے مال (یعنی بیت المال) مین اس قدر حق ہے
استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف	جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال مین۔ اگر مین دولت مند ہونگا
لکم علیّ ایھا الناس خصال فخذونی	تو کچھ نہ لونگا۔ اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے
بھا۔ لکم علیّ ان لا اجتبی شیئا من	لونگا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگون کے متعدد حقوق ہین جنکا تمکو مجھے
خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا	مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا
من وجھہ ولکم علیّ اذا وقع فی یدی	طور سے نہ جمع کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ مین خراج
ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علیّ	اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ
ان ازید فی اعطیاتکم واسد ثغورکم	کہ مین تمہارے روزینے بڑھاؤن اور سرحدون کو محفوظ
ولکم علیّ ان لا القیکم فی المھالک۔	رکھون۔ ایک یہ کہ تمکو خطرون مین نہ ڈالون

[1] دیکھو کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا عمر یعنی "اے عمر خدا سے ڈر" حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم"[1] ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے۔ کھانے۔ سونے ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے۔ اور دیگر ضروریات کے لیے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں۔ جو شخص

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۔

صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جسقدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہین۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکیٹو اختیارات ابتک ملے جلے ہین یعنی کلکٹر ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع مین تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمرؓ کے عجیب وغریب کارنامون مین ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اُس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت مین تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گذرے تھے۔ تاہم انھون نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کیے۔ چنانچہ اُن تمام شعبون کو ہم تفصیل سے لکھتے ہین۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ داران ملکی۔

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہین، ملک کا مختلف حصون مین تقسیم ہوتا ہے۔ جنکو صوبہ، ضلع۔ اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام مین حضرت عمرؓ پہلے شخص ہین جس نے اسکی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور

تناسب سے اسکے حدود قائم کیے۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اُنھون نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبون پر تقسیم کیا۔ مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہین۔ اور لکھا ہے کہ "یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سنہ ۲۰ھ مین کیا تھا۔" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس مین ایک اجمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی۔ اُس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہین ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان۔ وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُن کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لیے مورخین نے ان کا نام نہین لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے۔ ان کا ذکر ضرور تھا۔ اور وہ یہی ۸ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے۔ ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی مین بھی تصرفات کیے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس مین ۱۰ ضلعے شامل تھے سنہ ۱۵ھ مین جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدۂ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا۔ اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم۔ وعلقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونون صوبون مین متعین کیا[۱]۔

---

[۱] طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۶۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا و نصف مع اہل الرملة وہم عشر کورۃ و فلسطین تعدل الشام کلہا + ۔۔۔۔۔ و فرق فلسطین علی رجلین فنزل کل واحد منہما فی عملہ۔

مصر کی نسبت ہمکو معلوم نہین کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اسکو دو صوبون مین تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی مین صعید کہتے ہین۔ اور جس مین ۲۸ ضلعے شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہان کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جس مین ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ مین چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔ اس لیے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ **نوشیروان** کے عہد مین یہ ممالک کتنے حصون مین منقسم تھے۔

مورخ یعقوبی[1] نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبون مین منقسم تھی۔

خراسان۔ اس مین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود فاریاب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باذغیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربائیجان۔ اس مین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قزوین زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبذان۔ مہرجان۔ قذق۔ شہرزور۔ صامغان۔ آذربیجان۔

فارس۔ اس مین مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲۔ جلد اوّل۔

کازرون، فسا، دارابجرد، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہر تیری، مناذر، تستر، ایذج، رام ہرمز،

صوبون کے افسر

صوبون مین مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، **والی** یعنی حاکم صوبہ **کاتب** یعنی میر منشی، **کاتب دیوان** یعنی دفتر فوج کا میر منشی، **صاحب الخراج** یعنی کلکٹر، **صاحب احداث** یعنی افسر پولیس، **صاحب بیت المال**، یعنی افسر خزانہ **قاضی** یعنی صدر الصدور و منصف، چنانچہ کوفہ مین عمار بن یاسر، والی عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی، کاتب دیوان تھے[1]

ہر صوبے مین ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتون مین صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا، پولیس کا محکمہ بھی جہان تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا، اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا، مثلاً عمار بن یاسر جب وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انھی کے سپرد تھا، بحرین مین قدامۃ بن مظعون صاحب الخراج تھے، اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے، والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا، اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف مین دئے جن مین ایک قرظہ خزرجی بھی تھے[2]

---

[1] طبری، ۲۶۴۷، و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳،

[2] اسد الغابہ تذکرۂ قرظہ ۱۲،

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر مین یکتا ہوتا تھا، ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آجاتا،

اضلاع مین بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے، اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے، پرگنون مین غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا،

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد، سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ دارون کا انتخاب اور اُن کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راستباز، اور متدین نہ ہون اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہین ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب مین جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزارون ورق اُلٹ کر بھی اسکی نظیر نہین ملتی، اس مرحلے مین اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی، یعنی جس شخص مین جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے، اس کے ساتھ انھون نے ملک کے تمام قابل آدمیون سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انھون نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

انجام دینے کے لئے اس سے بڑھکر آدمی نہین مل سکتا تھا، عرب مین چار شخص تھے جنکو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرۃ بن شعبہ[۱]، زیاد بن سمیہ، حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینون کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے، اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لیے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نکرنے پائے، زیاد ان کے زمانے مین شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہین دیا، لیکن اسکی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کار و بار حکومت مین اس کو مشیر کار بنائین، فن حرب مین عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست مین ان کو دخل نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ان دونون کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی مین عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا، کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے[۲]، عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہین سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپنے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "مین" یہ کہکر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے، آنحضرت نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کی قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل مین ہمیشہ قائم رہا یہان تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو انکو میر منشی مقرر کیا،

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ مغیرۃ بن شعبہ ۱۲ [۲] استیعاب قاضی ابن عبدالبر و طبری صفحہ ۲۶۱،

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب **مجلس شوریٰ** کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے، تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے"، عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا، اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزون نہ تھے، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں کیا جا سکتا، کسی شخص کو شوق ہو تو **رجال** کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے، اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا،

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کرینگے تو کون کرے گا؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دینگے" لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵، اصل عبارت یہ ہے، ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم تعینونی فمن یعیننی الخ۔

فرمایا کہ اے عمرؓ تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا مین آلودہ کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے کہا مین ان بزرگون سے مدد نہ لون، توکس سے لون، "ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہین بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائین[1]۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگون کی راے ومشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتین سپرد کین

عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لیے شورے

زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس مین انتخاب ہوتا تھا اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اوس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا، بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگون کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگون سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اسکو انتخاب کر کے بھیجو، چنانچہ انھی منتخب لوگون کو وہان کا عامل مقرر کرتے تھے، عثمان بن فرقد، معن بن یزید، حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے، چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہین،

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ، کسی خدمت کے معاوضے مین تنخواہ لینا پسند نہین کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہٖ اس طرح جسطرح آج کل کے مقدس واعظون کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتون کو انجام دین اور مشاہرہ لین تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمین ملتی ہین اس سے انکو احتراز نہین ہوتا، حضرت عمرؓ کے زمانے مین بھی بہت سے لوگ اس غلطی مین مبتلا تھے، لیکن یہ امر تمدن اور

[1] کتاب الخراج صفحہ ۴۶،

اصول انتظام کے خلاف تھا، اسلیے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہین مقرر کین، ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا[1]، حکیم بن حزام نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا[2]،

عاملون کے فرامین مین انکے فرائض کی تفصیل،

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس مین اسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا[3]، اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگون کو جمع کرکے یہ فرمان پڑھتا تھا، جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہوجاتے تھے، اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگون کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا،

حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملون کے جو فرائض ہین ایک ایک اُنسے واقف ہوجائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعون پر اسکے متعلق خطبے دیئے، ایک خطبے مین جو مجمع عام مین دیا تھا عاملون کو مخاطب کرکے یہ الفاظ فرمائے،

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم فادروا علی — یاد رکھو کہ مین نے تم لوگون کو امیر اور سخت گیر مقرر کرکے نہین بھیجا ہے بلکہ امام بناکر بھیجا ہے کہ لوگ تمھاری تقلید کرین تم لوگ

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۲۵، [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ [3] طبری صفحہ ۲۷۴۶، اسد الغابہ (تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہین کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عھدہ قد بعثت فلانا وامرتہ بکذا... فلما قدم المداین استقبلہ الدھاقین فلما قرء عھدہ الخ۔

المسلمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیأکل قویھم ضعیفھم ولا تستأثروا علیھم فتظلموھم۔

مسلمانون کے حقوق ادا کرو، ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہون، انکی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی مین پڑین، ان کے لیے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزورون کو کھا جائین انسے کسی بات مین اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہی،

جب کوئی شخص کہین کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اوران صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے[1]، جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اسکی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہوجائے،

عاملون سے جن باتون کا عہد لیا جاتا تھا۔

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا، یہ شرطین اکثر پروانۂ تقرری مین درج کی جاتی تھین اوران کو مجمع عام مین پڑھکر سنایا جاتا تھا،

عاملون کے مال واسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا اس کی مفصل فہرست طیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی، اور عامل کی مالی حالت مین غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا[2] ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا مین مبتلا ہوئے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ مین ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ رھطا من الانصار۔

[2] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ مین ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا ولاھم ثم یقاسمھم مازاد علی ذلک۔

خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال مین داخل کر دیا، اشعار مین سے چند شعر یہ ہین، اس مین ان عاملون کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہین،

ابلغ امیر المؤمنین رسالۃ ۔۔۔ فانت امین اللہ فی المال والامر
فلا تدعن اہل الرساتیق والقری ۔۔۔ یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابہ ۔۔۔ وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیہما ۔۔۔ ولا ابن غلاب من سراۃ بنی نصر
وما عاصم منہا بصفر عیابہ ۔۔۔ وذاک الذی فی السوق مولی بنی بکر
وشبلا فسلہ المال وابن محرش ۔۔۔ فقد کان فی اہل الرساتیق ذا ذکر
نؤوب اذا آبوا ونغزو اذا غزوا ۔۔۔ فانی لہم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارۃ ۔۔۔ من المسک راحت فی مفارقہم تجری

زمانۂ حج مین تمام عاملون کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے مین حاضر ہون، حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے[۱]، چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتین پیش ہوتی تھین،

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۰۸ مین ہے، وکان من سنۃ عمر وسیرتہ ان یاخذ عمالہ بموافاۃ الحج فی کل سنۃ للسیاسۃ ولیحجزہم بذلک عن الرعیۃ ولیکون لشکاۃ الرعیۃ وقتا وغایۃ ینہونہا فیہ الیہ ۱۲

اور تحقیقات ہوکر اس کا تدارک کیا جاتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کرکے خطبہ دیا اور کہا کہ "صاحبو! عمال جو مقرر کرکے بھیجے جاتے ہین اسلئے نہین بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچے مارین یا تمھارا مال چھین لین، بلکہ مین اُن کو اسلئے بھیجتا ہون کہ رسول اللہ صلعم کا طریقہ سکھائین۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ مین اس کا انتقام لون"۔ عمرو بن العاصؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھکر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اسکو سزا دینگے؟" حضرت عمرؓ نے کہا اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے ضرور مین سزا دونگا، کیونکہ مین نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانون کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہوجائینگے ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہونگے"![1]

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور ۱۰۰ کوڑے مارے ہین، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہین مجمع عام مین عامل کو سو کوڑے لگائے، عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ امر عمال پر گران ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "لیکن یہ نہین ہوسکتا کہ مین ملزم سے انتقام نہ لون"۔ عمرو بن العاص نے منت کرکے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض مین دو دو اشرفیان لیکر اپنے حق سے باز آئے۔[2]

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتین پیش ہوتی تھین اسکی تحقیقات کے لیے ایک خاص

---

[1] کتاب الخراج، صفحہ ۶۶، [2] ۶۵ ""

عاملون کی تحقیقات

عہدہ قائم کیا جسپر محمد بن مسلمہ انصاریؓ مامور تھے یہ بزرگ اکابر صحابہ مین سے تھے، تمام غزوات مین رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ مین اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے[1] اور موقع پر جاکر مجامع عامہ مین لوگون کا اظہار لیتے تھے، سنہ ۲۱ھ مین سعد وقاصؓ جنھون نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگون نے حضرت عمرؓ کے پاس جاکر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیون نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریان کی تھین اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہاوند کے قریب آپہنچے تھے، مسلمانون کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجین روانہ ہورہی تھین، عین اسی حالت مین یہ لوگ پہنچے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھکو سعد وقاص کی تحقیقات سے نہین روک سکتا، اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انھون نے کوفہ کی ایک ایک مسجد مین جاکر لوگون کے اظہار لیے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینے مین آئے یہان حضرت عمرؓ نے خود انکا اظہار لیا[2]،

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ مین ہے، وھو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمدا یکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم طبری مین مختلف مقامات مین تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے، [2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۰۶ تا ۲۶۰۸ مین ہے، صحیح بخاری مین بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ ۱۲

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخون مین مذکور ہین، بعض اوقات ابتدأً عامل کو دارالخلافہ مین بلاکر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰؓ کو اپنے حضور مین بلوا کر تحقیقات کی، الزامات یہ تھے کہ ابو موسیٰؓ نے اسیران جنگ مین سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہین، اُن کی ایک لونڈی ہے جس کو دونون وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین آسکتی، کاروبار حکومت، زیاد بن سمیہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اسلئے مین نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا اس لیئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائین، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان سے چھین لیگئی ہ[1]

عاملون کی خطاؤن پر سخت گرفت کیجاتی تھی خصوصاً ان باتون پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا، سخت مواخذہ کیا جاتا تھا جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲

کہ بیمار کی عیادت نہین کرتا یا کمزور اس کے دربار مین بار نہین پاتا وہ فوراً موقوف کردیا جاتا تھا[1]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار مین پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمرؓ! کیا عاملون کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت مین پاؤ ساتھ لوا لاؤ، محمد بن مسلمہ نے وہان پہنچکر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس مین ساتھ لے کر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا اور بکریون کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل مین لے جا کر چراؤ، عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھکو اس سے عار کیون ہے، تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریان چراتا تھا، غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے[2]

حضرت سعد وقاص نے کوفہ مین اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس مین ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی مین آگ لگا دین چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے دیکھا کئے،

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ ، [2] ،،

اس قسم کی باتین اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہین کیونکہ لوگون کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک مین مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ مین ڈوبے نظر آئین عام آدمیون کو اختیار ہے جو چاہین کرین، ان کے افعال کا اثر بھی انھی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہین ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگون کے دلون مین اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتون سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتین پیدا ہو جاتی ہین جسکے یہ معنی ہین کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہین، اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتین پولیٹکل مصالح سے خالی نہ تھین، مساوات اور عدم ترجیح جسکو آجکل کی اصطلاح مین سوشیلزم کہتے ہین، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب مین جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیون مین محدود تھے، ورنہ امیر معاویہ، شام مین بڑے سر و سامان سے رہتے تھے، اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہین کرتے تھے، شام کے سفر مین حضرت عمرؓ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسرٰی العرب یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انھون نے جواب دیا کہ یہان رومیون سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر مین بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہین قائم رہسکتا

تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہین کیا،

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہین بیش قرار مقرر کی تھین، یورپ نے مدتون کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتین تو اب تک اس راز کو نہین سمجھین جسکی وجہ سے رشوت اور غبن، ایشیائی سلطنتون کا خاصہ ہو گیا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے مین اگرچہ معاشرت نہایت ارزان اور روپیہ گران تھا تاہم تنخواہین علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھین صوبہ دارون کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپئے تھی[1]،

اب ہم عمال فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل مین کس قسم کے پرزے اختیار کئے تھے،

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ مین داخل ہین،
یزید بن ابی سفیان	″	″	تمام بنو امیہ مین انسے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا
امیر معاویہ	″	″	سیاست و تدبیر مین مشہور ہین،
عمرو بن العاص	مصر	″	مصر انہی نے فتح کیا،
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	″	آنحضرت کے ماموں تھے،

[1] استیعاب قاضی ابن عبدالبر اور ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۷۱،

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
عتبہ بن غزوان	بصرہ	والی	مہاجرین مین سے ہین، بصرہ انھی نے آباد کرایا،
ابو موسیٰ اشعری	”	”	مشہور جلیل القدر صحابی ہین،
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	”	آنحضرت ؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا،
نافع بن عبد الحارث	”		فضلائے صحابہ مین سے ہین،
خالد بن العاص	”		ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے،
عثمان بن ابی العاص	طائف		آنحضرت ؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگون کو انھی نے تھاما،
یعلی بن امیہ	یمن		صحابہ مین سے تھے اور دنیا مین شہرت عام رکھتے تھے
علاء بن الحضرمی	”		بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرت ؐ نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا،
نعمان	مداین	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام مین نہایت ماہر تھے
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انھی نے فتح کیا،
عمر بن سعد	حمص	”	حضرت عمرؓ انکی نہایت عزت کرتے تھے،
حذیفہ بن الیمان	مداین	”	مشہور صحابی اور آنحضرت ؐ کے رازدار تھے،
نافع بن عبد الحارث			بڑے خاندان کے آدمی تھے،
خالد بن حرث دہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندب	سوق الاہواز		اکابر صحابہ مین ہین،

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
نعمان بن عدی	میسان		صحابہ مین سے اوّل انہی کو وراثت کا مال ملا،
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل مین انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی،

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب مین حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا۔

خراج کا نظم ونسق، عرب کی تاریخ تمدن مین ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج وتخت کے مالک ہوئے جنھون نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کردیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا، اسلام کے آغاز مین اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیون نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہین اسلئے زمین ہمارے ہی قبضے مین چھوڑ دی جائے، جناب رسول اللہؐ نے اُن کی درخواست منظور کرلی اور بٹائی پر معاملہ ہوگیا، اس کے سوا، جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہوگئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کردیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین عراق کے کچھ حصّے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کردی گئی،

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا، یعنی ۱۶ھ مین ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیون کی قوت کا استیصال کردیا، تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی، اس مرحلے مین پہلی یہ مشکل پیش آئی

آئی کہ امراے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر ان کی جاگیرین عنایت کیے جائین، اور باشندون کو ان کی غلامی مین دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو وہان کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کرکے بھیجا۔ کل باشندون اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے مین تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسیوقت حضرت عمرؓ کی راے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندون کے قبضے مین رہنے دی جاے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے[1] لیکن اکابر صحابہ مین سے عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ، اہل فوج کے ہمزبان تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر "اللھم اکفنی بلالاً یعنی اے خدا مجھکو بلال سے نجات دے"[2] حضرت عمرؓ یہ استدلال کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ، فوج کو تقسیم کر دیے جائین تو آیندہ افواج کی طیاری، حملون کی حفاظت، ملک کے امن وامان قائم رکھنے کے مصارف کہان سے آئینگے[3] عبد الرحمنؓ بن عوفؓ کہتے تھے کہ "جن کی تلوارون نے ملک کو فتح کیا ہے انھی کا حق ہے۔ آیندہ نسلین مفت کیونکر پا سکتی ہین" چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت راے پر ہوتا تھا اسلیے ایک عام اجلاس ہوا جس مین تمام قدماء مہاجرین۔ اور انصار مین سے پانچ قبیلۂ اوس اور پانچ قبیلۂ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ۔ اور طلحہؓ نے حضرت

عراق کا کل رقبہ

[1] طبری ۲۴۶۷۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

عمرؓ کی راے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لیے نص قاطع تھی یعنی لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات مین آیندہ نسلون کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جاے تو آنے والی نسلون کے لیے کچھ باقی نہین رہتا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال مین پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ "بےشبہہ آپ کی راے بالکل صحیح ہے"۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیے جائین وہ فوج کے ملک نہین ہین بلکہ حکومت کے ملک قرار آغاز مین۔ اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہین کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد اچھا جاتا نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

حضرت عمرؓ کا استدلال عمرؓ نے ایسی۔

اُن کی عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربون کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب سب موبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا عہد کے انتظام مین وہان کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ اور اکثر حالتون مین کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق مین اس وقت مالگزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے۔ جو تین قسطون مین ادا کیے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے **قباد** نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک تعین لگان

افسران بندوبست

عراق کا کل رقبہ

مین یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ حاصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اُس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے مین اور بھی تبدیلیان ہوئین[1]۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمایش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب مین اس قسم کے فنون اُس وقت تک رائج نہ تھے۔ اس لیے فی الجملہ دِقّت پیش آئی۔ آخر[2] دو شخص انتخاب کیے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان، یہ دونون بزرگ اکابر صحابہ مین سے تھے۔ اور عراق مین زیادہ تر رہنے سے اِس قسم کے کامون سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن مین پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین لکھا ہے کہ انھون نے اِس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمایش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیمایش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے طیّار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمایش کا کام جاری رہا۔ کل رقبہ طول مین ۳۷۵ میل اور عرض مین ۳۲۰ یعنی کل ۳۰۰۰۰ میل مکسّر ٹھہرا۔ اور پہاڑ۔ صحرا۔ اور نہرون کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کرور ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندانِ[1] شاہی کی جاگیر۔ آتشکدون[2] کے اوقاف۔ لاوارثون[3] مفرورون[4]۔ اور باغیون[5] کی جائداد۔ وہ زمینین[6] جو سڑکون کی طیّاری، اور درستی۔ اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھین۔ دریا[7] اور جنگل[8]۔ ان تمام زمینون کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد

[1] کتاب الاوایل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان۔ و ذکر اول من وضع الخراج۔

سالانہ ستر لاکھ تھی۔ رفاہ عام کے کامون کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششون کے صلے مین جاگیر عطا کی جاتی تھی۔ تو انھی زمینون سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیرین کسی حال مین خراج یا عُشر سے مستثنٰا نہین ہوتی تھین۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ دارونکو دے دی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہون	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۲ درہم سال	
جو	"	۱ درہم سال	
نیشکر	"	۶ درہم سال	
روئی	"	۵ درہم سال	
انگور	"	۱۰ درہم سال	
نخلستان	"	"	
تل	"	۸ درہم سال	
ترکاری	"	۳ درہم سال	

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اِس شرح مین تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہون پر فی جریب ۴ درہم اور جَو پر ۲ درہم مقرر ہوئے۔ افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کرور ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمایش کے تہتم مختلف لیاقت کے تھے۔ اِس لیے تشخیص جمع مین بھی فرق رہتا ہم جہان جس قدر جمع مقرر کی گئی۔ اُس سے زیادہ مالکانِ آراضی کے لیے چھوڑ دیا

عراق کا خراج

گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمان نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اسیقدر اور گنجائش ہے[۱]"

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جنکو ایرانی زبان میں مرزبان، اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی۔

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زاید تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہوگئیں۔ اور دفعۃً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہوگئی۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال، خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے۔ دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی[۲]۔ سالہاے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگذاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے[۳]۔

ہر سال مالگذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا۔ لیکن

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ ۲؎ تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۴۔ ۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر الخطاب کان یجبی العراق کل سنۃ مأیۃ الف الف اوقیۃ ثم یخرج الیه عشرۃ من اهل الکوفۃ وعشرۃ من اهل البصرۃ یشهدون اربع شهادات بالله انه من طیب، ما فیه ظلم مسلم ولا معاهد ۔۱۲

جس قدر مالگزاری اُن کے عہد مین وصول ہوئی - زمانہ مابعد مین کبھی وصول نہین ہوئی -

حضرت عمر کے زمانے مین جسقدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد مین کبھی نہین ہوا

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "حجاج پر خدا لعنت کرے، کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی - عمر بن الخطاب رضؓ نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول کی زیاد نے ۱۰ کرور ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۲ کرور ۸ لاکھ وصول[1] کیے۔"

مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے عہد مین بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کرور ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہین بڑھی -

جہان تک ہمکو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمایش نہین کرائی بلکہ جہان جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے طیار تھے انکو اسی طرح قائم رکھا، یہان تک کہ دفتر کی زبان تک نہین بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی مین - شام کا رومی مین - مصر کا قبطی مین تھا - حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی اُسی طرح رہا - خراج کے محکمے مین جس طرح قدیم سے پارسی - یونانی - اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے - تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام مین جہان جو کچھ غلطی دیکھی اُسکی اصلاح کردی، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے -

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان مین تھا

مصر مین فرعون کے زمانے مین جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر مین بھی وہی جاری رہا - فرعون نے تمام اراضی کی پیمایش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے -

[1] معجم البلدان ذکر سواد -

مصر مین فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونون طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالون کی پیداوار کا اوسط نکال کر اُس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چارسالہ ہو۔[1]

رومیون کا اضافہ

رومیون نے اپنے عہد حکومت مین اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پایۂ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے مین فوج کی رسد کے لیے یہین سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج مین محسوب نہین ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونون جابرانہ قاعدے موقوف کر دیے۔

حضرت عمر نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مورخون نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینۂ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہہ عام القحط مین مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتون تک جاری رہی لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹکس نہ تھا۔ چنانچہ علامۂ بلاذری نے فتوح البلدان مین صاف صاف تصریح کر دی ہے[2]۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج مین صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو

[1] پروفیسر van Berchem نے ایک کتاب فرنچ زبان مین مسلمانون کے قانون مالگزاری پر لکھی ہے۔ یہ حالات مین نے اسی کتاب سے لیے ہین۔ آگے چلکر بھی اس کتاب کے حوالے آئینگے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے۔ La Proprie Te Territorial et L' impot foncier sons les Premie rs Califes
[2] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔

حرمین کے لیے جو غلّہ بھیجا جاتا تھا خرید کرکے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی[1] ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ مین فوج کی رسد کے لیے غلے کے کھتون کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر مین وصول مالگزاری کا طریقہ۔

حضرت عمرؓ نے مالگزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونون ملک کے قدیم قاعدون مین فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج مین نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اس لیے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہین ہوسکتا چند سالون کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہین کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہین کرسکتے کہ خشک سالی مین اوسط حساب کے لحاظ سے اُنکا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے مین مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاری کی قسطین کھلتی تھین تو تمام پرگنہ جات سے رئیس، اور زمیندار۔ اور عرّاف طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جسمین مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم اُن لوگون کے مشورے سے ہر ہر گانون پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس مین سے اوّل گرجاؤن اور حمامون کے

[1] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۷۶۔

مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گانوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گانوں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔[1]

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا۔ اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بہ تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھدیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی تعداد ایک کرور بیس لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کرور چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلی سال ایک کرور دینار وصول کیے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کرور وصول کیے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی"

---

[1] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷۔ علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد مین جزیہ کا دستور نہ تھا۔ اس لیے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہان خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانون کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد مین خراج کی مقدار جہان تک پہنچی زمانہ مابعد مین کبھی اس حد تک نہین پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے مین تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہین ہوئی۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری[1] تو ۳۰ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے مین عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کرور چالیس لاکھ دینار وصول کیے تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ہان لیکن بچہ بھوکا رہا۔ امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی مین یادگار ہے انکے عہد مین مصر کے خراج کی تعداد ۳۰ لاکھ دینار تھی[2]۔ فاطمیین کے عہد مین خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کردی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے[3]۔

مصر کا خراج بنو امیہ
اور عباسیہ کے
زمانے مین۔

شام

شام مین اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۹۔ جلد اوّل۔ [2] معجم البلدان ذکر مصر۔

[3] ابن حوقل ذکر مصر۔

تمام ممالک مفتوحہ مین قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیے تھے۔ اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز مین یونانی زبان سے شامی زبان مین ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک مین جاری تھا[1]۔ قراین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہان بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اسکی کل تعداد۔ ایک کرور ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کرور ۶۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس۔ کرمان۔ آرمینیہ۔ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکون کے حالات فتح مین صرف اس قدر لکھتے ہین کہ وہان کے لوگون پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا کہین کہین کسی خاص رقم پر معاہدہ ہوگیا ہے۔ تو اس کی تعداد لکھدی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہین لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلون سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہین اس لیے ہم بھی اسکی چندان پروا نہین کرتے۔

قانون مالگزاری مین حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے مین فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحین کیا ہین۔ اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہین۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے مین کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی

[1] دیکھو پروفیسر برخیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانون کے قانون مالگزاری پر۔

دفعتہً نہایت ترقی کرگئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا۔ اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیون نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندون سے چھین کر کچھ افسرانِ فوج اور کچھ ارکین دربار کو دیدین۔ کچھ شاہی جاگیر قرار پائین۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کردی گیئن۔ اصلی باشندون کے ہات مین ایک چپہ زمین بھی نہین رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالکِ زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہات منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہوجاتے تھے۔ اخیر اخیر مین باشندون کو بھی کچھ زمینداریان ملنے لگین۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متمتع ہونے کے لیے رومی زمیندارون سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اِسی بہانے سے زمیندار خود اُس زمین پر متصرف ہوجاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہان تک ہمکو معلوم ہے تمام دنیا مین قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا۔ کہ زمین کا بہت بڑا حصّہ افسرانِ فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر مین دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ۔ اِس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے اُن کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اُن تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھین یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے کردین۔ اور بجائے اِس کے کہ وہ مسلمان افسرون یا فوجی سردارون کو عنایت کی جاتین قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت مین ان زمینون پر قابض نہین ہوسکتے

یعنی مالکانِ اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہین تو خرید بھی نہین سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مُدّت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر مین کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن لہیعہ، نے ان پر سخت اعتراض کیا[1]۔ حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک مین پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کردی۔ چنانچہ تمام فوجی افسرون کے نام احکام بھیج دیئے کہ "لوگون کے روزینے مقرر کردیے گئے ہین۔ اِس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے"۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر مین زراعت کرلی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھکو ایسی سزا دونگا کہ اورون کو عبرت ہو[2]۔

اِن قاعدون سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جسکی نظیر دنیا مین کہین موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہین برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کامون مین مہارت رکھتے تھے۔ عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہین کرسکتے تھے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت مین بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات مین خراج اور مالگزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت مین باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانون کی

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵ [2] حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانون کے حملون کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر مین خود قبطی کاشتکارون نے یونانیون کے برخلاف مسلمانون کو مدد دی۔ دمشق، اور حمص مین، عیسائی باشندون نے ہرقل کی فوج کے مقابلے مین شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے۔ اور مسلمانون سے کہہ دیا کہ تم تمھاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیون کے بہت زیادہ پسند کرتے ہین"

یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قومون کے ساتھ انصاف کرنے مین اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری جفاکشی، ہمت۔ عزم۔ اُسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے جس دن اُنھون نے زمین کو ہاتھ لگایا اُسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُنسے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مالگزاری ذمیون سے رائے لینا۔

اس معاملے مین ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا، یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور مین ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے۔ اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسون کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہون[۱]۔

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہان کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے مین راے لو۔ اس پر نہ تسلّی ہوئی تو ایک واقف کار قبطی [1] کو مدینے مین طلب کیا اور اس کا اظہار لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتون کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جس کا بیان ہم بندوبست کے شروع مین کر آئے ہین۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک مین جہان جہان افتادہ زمینین ہین جو شخص اُن کو آباد کرے اس کی ملک ہو جائین گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے مین لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینین نہایت بیاد آباد ہو گئین۔ حملے کے وقت جہان جہان کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اُن کے لیے اشتہار دیا کہ واپس آ جائے۔ اور اپنی زمینون پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام مین میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گذری اور اس کو برباد کر دیا حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے مین دلوائے [2]۔ تمام ممالک مفتوحہ

---

[1] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۷۴، ۷۵ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

محکمۂ آبپاشی

مین نہرین جاری کین - اور بند باندھنے - تالاب طیار کرانے - پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے - نہرون کے شعبے نکالنے، اِس قسم کے کامون کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا - علامۂ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام مین لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے[1] - خوزستان، اور اہواز کے اضلاع مین جزر بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہرین کھدوائین - جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینین آباد ہوگئین - اسی طرح اور سیکڑون نہرین طیار ہوئین - جنکا پتہ جستہ جستہ تاریخون مین ملتا ہے -

خراجی اور عشری

نوعیتِ قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری - خراجی کا بیان اوپر گذر چکا - عشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانون کے قبضے مین ہوتی تھی - اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے -

(۱) عرب کی زمین جس کے قابضین اوائلِ اسلام مین مسلمان ہوگئے تھے - مثلاً مدینۂ منورہ وغیرہ -

(۲) جو زمین کسی ذمّی کے قبضے سے نکل کر مسلمانون کے قبضے مین آتی تھی - مثلاً وہ لاوارث مرگیا، یا مفرور ہوگیا - یا بغاوت کی - یا استعفا دیدیا -

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی مِلک نہین ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کرلیتا تھا -

---

[1] مقریزی صفحہ ۷۰، جلد اوّل -

اِن اقسام کی تمام زمینین عشری کہلاتی تھین اور چونکہ مسلمانون سے جو کچھ لیا جاتا تھا - وہ زکوٰۃ کی مد مین داخل تھا، اس لیے اِن زمینون پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا دسوان حصہ ہوتا تھا - یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی - اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی قائم رہی - حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینین مسلمانون کے قبضے مین آئین - اگر وہ - ذمیون کی قدیم نہرون یا کنوؤن سے سیراب ہوتی تھین - تو ان پر خراج مقرر کر دیا - چنانچہ اس قسم کی زمینین، عبداللہ بن مسعودؓ و خباب وغیرہ کے قبضے مین تھین - اور اُن سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنوان کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو پھر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا[۱]۔

مسلمانون کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہین ہے - اولاً تو مسلمانون کو بمقابلہ ذمیون کے بہت سی زائد رقمین ادا کرنی پڑتی تھین - مثلاً مویشی پر زکوٰۃ - گھوڑون پر زکوٰۃ - رُوپے پر زکوٰۃ - حالانکہ ذمی ان محصولون سے بالکل مستثنےٰ تھے - اس بنا پر خاص زمین کے معاملے مین جو نہایت اقل قلیل مسلمانون کے قبضے مین آئی تھی - اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی - دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت مین کم یا معاف نہین ہو سکتی تھی - یہان تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہین کر سکتا تھا - بخلاف اس کے خراج مین تخفیف اور معافی دونون جائز تھی - اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا، اس کے علاوہ

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۳۵ و ۳۶ -

خراج سال مین صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال مین جتنی فصلین ہوتی تھین سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیان

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے، وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشور۔ جزیہ مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانون کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانون کی کسی قسم کی جائداد، یا آمدنی اس سے مستثنےٰ نہ تھی۔ یہان تک کہ بھیڑ، بکری۔ اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ کے عہد مین مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد مین جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے گھوڑون کو زکوٰۃ سے مستثنےٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلعم نے جو الفاظ فرمائے تھے، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہین۔ اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت کے وقت مین تجارت کے گھوڑے وجود نہین رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے زکوٰۃ سے مستثنےٰ ہونے کی کوئی وجہ نہین تھی۔ بہرحال زکوٰۃ کی مد مین یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اوّل حضرت عمرؓ ہی کے عہد مین شروع ہوئی۔ عشور خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جس کی ابتدا یون ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکون مین تجارت کے لیے جاتے تھے۔ اُن سے وہان کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صدی دس روپیہ ٹکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ

گھوڑون پر زکوٰۃ

عشور

نے حکم دیا کہ ان ملکون کے تاجر جو ہمارے ملک مین آئین اُن سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے
منبج کے عیسائیون نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہین ہوئے تھے خود حضرت
عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمکو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب مین تجارت کرنے
کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کرلیا۔ اور پھر ذمیون اور مسلمانون پر بھی یہ قاعدہ جاری
کر دیا گیا۔ البتہ تعداد مین تفاوت رہا یعنی حربیون سے فی صدی ۱۰۔ ذمیون سے ۵۔ مسلمانون سے
ڈھائی لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالکِ مفتوحہ مین یہ قاعدہ جاری کرکے اس کا ایک
خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا
تھا اور اسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال بھر جہان جہان چاہے مال لیجائے
اس سے دوبارہ محصول نہین لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسَو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ
نہین لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محصلون کو یہ بھی تاکید کردی تھی کہ کھلی ہوئی چیزون سے عشر
لیا جائے یعنی کسی کی اسباب تلاشی نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام مین حضرت عمرؓ کی بدولت وجود مین آیا۔ ترقی تمدّن کا پہلا دیباچہ یہ ہے
کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا مین جہان جہان حکومت
و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدتون کے بعد ان دونون صیغون مین تفریق ہوئی
لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ

کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے - حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا مین یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا - حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہین ہو لیتا - ہر صیغے کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے - اِس لیے فصلِ قضایا کا کام وہ شخص انجام نہین دے سکتا جسکو فصلِ قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو - یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحبِ عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے[۱] بلکہ اسی بنا پر عبد اللہ بن مسعودؓ کو فصلِ قضایا سے روک دیا -

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا - اور تمام اضلاع مین عدالتین قائم کین - اور قاضی مقرر کیے - اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس مین صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے - ہم اس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہین[۲] - رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد[۳] جو رومیون کے بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہین - اور جنکی نسبت

---

[۱] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع -

[۲] اس فرمان کو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا مین اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ و ابن عبد ربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے -

[۳] ۴۵۱ برس قبل مسیح رومن امپائر نے یونان مین سفرا بھیجے کہ وہان قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین و سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائین - یہ سفرا یونان گئے اور وہان سے واپس آکر ایک دستور العمل طیار کیا جسمین بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے - یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کیے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا دہی شاہی

سیلسرو- روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفرون کی تصنیفات سے بڑھکر ہین، وہ بھی ہمارے سامنے ہین- ان دونون کا موازنہ کرکے ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ دونون مین سے تمدّن کے وسیع اصول کا کس مین زیادہ پتہ لگتا ہے-

رومن امپائر کے قواعد عدالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) قانون رہا۔ اس مین صیغہ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہین-

(۱) جب تم عدالت مین طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو-

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے-

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو-

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو- ورنہ اُس پر حاضری کے لیے جبر نہین کیا جاسکتا-

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اُسکو چھوڑ دو-

(۶) دولتمند کا ضامن دولتمند ہونا چاہیے-

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے-

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا-

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری مین ہوگا-

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی-

(۱۱) فریقین اگر ثالثہ پیش کرنا چاہین تو ان کو ضامن دینا چاہیے-

(۱۲) جو شخص گواہ نہین پیش کرسکتا- مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کرے-

یہ قواعد ہین جسکو یاد کرکے یورپ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل مین درج ہے۔

اما بعد فان القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة اس بین الناس فی وجهك فی مجلسك وعدلك حتی لا ییاس الضعیف من عدلك ولا یطمع الشریف فی حیفك البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح جایز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا - لا یمنعك قضاء قضیته بالامس فراجعت فیه نفسك ان ترجع الی الحق الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغك فی الکتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك و اجعل لمن ادعی بینة امدا ینتهی الیه فان احضر بینة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء علیه والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلودا فی حد او مجربا فی شهادة زور او ظنینا فی ولاء او وراثة

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہو لوگون کو اپنے حضور مین اپنے مجلس مین۔ اپنے انصاف مین برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہو۔ اور روادار کو تمھاری رُو رعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعوے کرے اُس پر بار ثبوت ہے۔ اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم۔ صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام۔ حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے مین شبہہ ہو اور قرآن و حدیث مین اسکا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُسکی مثالون اور نظیرون پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہین باستثناے اُن اشخاص کے جن کو حد کی سزا مین درے لگائے گئے ہون۔ یا جنھون نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ یا ولا اور وراثت مین مشکوک ہون۔

اس فرمان مین قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہین حسب ذیل ہین۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگون کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہین رکھتا تو اس سے قسم لیجائے گی۔

(۴) فریقین ہر حالت مین صلح کر سکتے ہین لیکن جو امر خلافِ قانون ہو اسمین صلح نہین ہو سکتی ہی۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس مین نظرِ ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائے گا۔

(۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہین۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات مین پورا عدل و انصاف تین باتون پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل مین آئین۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات مین رو رعایت نہ کرنے پائین۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔ تاکہ مقدمات کے انفصال مین ہرج

نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون **قرآن مجید** موجود تھا، البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اوّل قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو۔ تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔[1]

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور اہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے

[1] کنز العمال صفحہ ۱۷۴ جلد ۳۔ مسند دارمی میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے۔ عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیٔ فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بھا فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت۔ ان شئت ان تجتھد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیراً لک۔

تو ایک مختصر مجموعۂ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہین کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ مین بھی متعدد فتاوی مذکور ہین۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب مین جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب مین انتخاب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت[1] تھے۔ جو رسول اللہ کے زمانے مین کاتبِ وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ اور علوم فقہیہ مین سے فرائض کے فن مین تمام عرب مین ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے اُن کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہین[2]۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے۔ جو منجملہ اُن پانچ شخصون کے ہین جنھون نے رسول اللہ صلعم کے عہد مین تمام قران حفظ کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے اُن کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا[3]۔

---

[1] اخبار القضاۃ مین ہے۔ ان عمر استعمل زیداً علی القضاء وفرض لہ رزقاً۔

[2] دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابہ۔ و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

[3] استیعاب قاضی عبد البر۔

رت عمرؓ کے
نے کے
م عدالت

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ جنکا فضل وکمال محتاجِ بیان نہین۔ فقہ حنفی کے مورثِ اوّل وہی ہین۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد سنہ ۱۹ ھ مین قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ مین سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب مین ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی اُن کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگون کے سوا جمیل بن معمر الجمحی۔ ابو مریم الحنفی، سلمان بن ربیعۃ الباہلی۔ عبدالرحمٰن بن ربیعۃ۔ ابو قرۃ الکندی۔ عمران بن الحصین جو حضرت عمرؓ کے زمانے کے قضاۃ ہین۔ ان کی عظمت وجلالت شان، رجال کی کتابون سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ۃ کا امتحان
ـد مقرر
ہونا

قاضی۔ اگرچہ حاکمِ صوبہ یا حاکمِ ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگون کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگون کو انتخاب کرکے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لیے اگرچہ خود امیدوارون کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اس پر اکتفا نہین کرتے تھے۔ بلکہ اکثر علمی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگون کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری مین چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ انھون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے

اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے۔ اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا[1]۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔

ناجائز وسائلِ آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کین۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کین۔ کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی[2]۔ اور یہ تعداد اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس مین اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ "دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا[3]۔"

ان باتون کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتون کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک مین اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف مین مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوانِ عدالت مین شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائین۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت مین

[1] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔ [2] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۷۔

[3] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان مین اور ابی بن کعب مین کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہان مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمھارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہکر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمر کو دعوے سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے اُن کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ جب تک تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونون برابر نہ ہون تم منصب قضا کے قابل نہین سمجھے جا سکتے۔"

قضاۃ اور ان کی کارروائیون کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے عہدِ خلافت مین بلکہ بنوامیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل مین لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے۔ (یہ بنوامیہ کے زمانے مین تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی، کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہین تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والون کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کرین۔ اس لیے اسلامی عدالتون مین اُن کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بنا پر ہر ضلع مین ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔

ماہرین فن کی شہادت۔

صیغۂ قضاء، اور خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمر رضؓ نے جو نادر باتین ایجاد کین اور جن کا بیان اُن کے اجتہادات کے ذکر مین آئے گا۔ ان مین ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا۔ اس مین خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو مین ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہین ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر رضؓ کے ہان مقدمہ رجوع کیا۔ چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحین اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہین۔ حضرت عمرؓ نے حسّان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی راے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہِ نسب کی صورت مین حلیہ شناسون کے اظہار لیے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف مین اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہین۔

فصلِ خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہین تک تھا جہان تک انصاف کی ارزانی اور آسانی مین کوئی خلل نہین پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزان اور آسان ہونا تھا۔ آجکل مہذب ملکون نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود مین جکڑ دیا ہے کہ دادخواہون کو دعوے سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے مین ذرا بھی دقت نہین ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی

عدالت کا مکان

کہ عدالت کے لیے خاص عمارتین نہین بنوائین بلکہ مسجدون پر اکتفا کیا۔کیونکہ مسجد کے مفہوم مین جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت مین پیدا نہین ہوسکتی تھی۔مقدمات کے رجوع کرنے مین کوئی صرف برداشت کرنا نہین پڑتا تھا۔عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اُس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئین تاکہ اظہار مدعا مین اُس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتا

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام مین قائم ہوا اور جسکی مثال، اسلام کے سوا اور کہین پائی نہین جاتی۔قانون کے جو مقدم اصول ہین ان مین ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہین آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہین جانتا تھا۔یہ قاعدہ تمام دنیا مین مسلّم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکون نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔بے شبہہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قومون نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہین کی۔یورپ مین تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجہ کو نہین پہنچ سکی اور نہ پہونچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیے کوئی تدبیر نہین۔لیکن اسلام مین اسکا

ایک خاص محکمہ تھا جسکا نام محکمۂ افتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لایق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا اُن سے دریافت کرسکتا تھا۔ ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ اُن مسائل کو بتائین۔ اس صورت مین گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہوسکتا تھا، اور اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہین کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام مین خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد مین جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل رہا زمانۂ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین بھی نہین رہا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی۔

اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو، بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتا کے لیے نامزد کردیے جائین، تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کرسکے حضرت عمرؓ نے اس خصوص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگون کو انھون نے افتا کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوہریرہؓ۔ اور ابودرداؓ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین "در سابق وعظ و فتوے موقوف بود بر رائے خلیفہ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوے می دادند"[1] تاریخون مین اس کی بہت سی مثالین موجود ہین کہ جن لوگونکو فتوے کی اجازت نہ تھی اُنھون نے فتوے دیے۔ تو حضرت عمرؓ نے انکو منع کر دیا۔ چنانچہ

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۰۔

ایک دفعہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا۔[1] بلکہ ان کو یہان تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیون کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے مین کیا فتوے دیا؟ اور جب انھون نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آیندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے"۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لیے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیون کے نام کا اعلان کر دیا جائے اُسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ مین جن سے بڑھکر اعلانِ عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر مین بمقام جابیہ بے شمار آدمیون کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس مین یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسال الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسال عن الفقہ فلیات معاذا	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس۔ اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہان تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لیے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ نہین قائم کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ۔ قضاۃ کے ہان فیصل ہوتے تھے۔ اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیان پولیس سے متعلق تھین۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اُس وقت اس کا نام اَحداث تھا۔ چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث

[1] مسند دارمی و ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۰۔

کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا، اور اس کے لیے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایجاد کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔"

جیلخانہ کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیلخانے بنوائے۔ ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلخانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا۔ اور اس کو جیلخانہ بنایا۔[1] پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل سے بنا تھا۔[2] اُس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے۔ لیکن دور خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے میں بھجواتے تھے۔

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۳۔

جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض سزاؤن مین بھی تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابومحجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم مین ماخوذ ہوئے۔ تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

بلاوطنی کی سزا۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابومحجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ مین بھیجدیا تھا۔[1]

بیت المال (یا) خزانہ،

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود مین آیا۔ آنحضرت صلعم کے زمانے مین سب سے

بیت المال [...] نہ تھا۔ اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ لیکن آنحضرت ؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ مین تقسیم کردی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت مین کوئی خزانہ نہین قائم کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگون کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسرے سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے مین آئے۔ یہ کتاب الاوائل، اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسیوقت تقسیم کردیا جاتا تھا اور اسکی نوبت نہین پہنچتی تھی۔ کہ خزانے مین کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً سنہ ۱۵ھ مین حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام

---

[1] اسد الغابہ ذکر ابومحجن ثقفی۔

مین پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگون کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؓ نے راے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے مین جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف راے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا مین نے سلاطین شام کے ہان دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے"

بیت المال کس سنہ مین قائم ہوا

آجکل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والون کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس راے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافۃ یعنی مدینہ منورہ مین بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی۔ عبد اللہ بن ارقمؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے مین کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ اُن کے ماتحت مقرر کیے جن مین سے عبد الرحمان بن عبید القاریؓ اور معیقیبؓ بھی تھے[۲] معیقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے انگشتری بردار تھے۔ اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

بیت المال کے افسر

دار الخلافۃ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات مین بیت المال قائم کیے اور اگرچہ وہان کے اعلیٰ حکام کو اُن کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان مین خالد بن حرثؓ

---

[۱] فتوح البلدان از صفحہ ۴۴۹ تا ۴۶۱۔ [۲] کتب رجال مین معیقیب کا تذکرہ دیکھو۔

بیت المال کی عمارتین

اور کوفہ مین عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب مین نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتین مستحکم اور شاندار بنوائین، کوفہ مین بیت المال کے لیے اوّل ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جسکا مصالحہ خسروانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اُسمین نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیون کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگون کا مجمع رہے گا۔" چنانچہ سعد وقاصؓ کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے ملگئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا[1]۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ مابعد مین زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیون کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ مین آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے۔ اور انھون نے طلحہؓ و زبیرؓ کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اِسی مورّخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اور ایرانیون کی فوج مین داخل تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہوگئی اور ابوموسےٰؓ نے انکو بصرہ مین آباد کرایا[2]۔

صوبجات اور اضلاع مین جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہان کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونیکے بعد

---

[1] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ مین ہے [2] فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶۔

صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال مین بھیجدی جاتی تھی۔ چنانچہ اُس کے متعلق عمّال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے[1]۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے مین کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔ مورّخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافۃ کے خزانے سے۔ خاص دار الخلافۃ کے باشندون کو جو تنخواہین اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اُسکی تعداد تین کرور سالانہ تھی۔

جو رقم دار الخلافۃ کے خزانے مین رہتی تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی مین حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخون مین بہت سے دلچسپ واقعات ہین جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہین۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان مین اسکے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہین۔ مصر و شام مین اس کا ترجمہ نظاراتِ نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ مین مفصلۂ ذیل چیزین داخل ہین۔ سرکاری عمارات۔ نہرین۔ سڑکین۔ پُل۔ شفاخانے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہین قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانون کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزین ہین سب موجود تھین۔ اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھین۔

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہرین طیّار کرائین انکا مختصر حال

---

[1] عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اسمین یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیک وجمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لابد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ (کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۶۳)

ہم صیغۂ محاصل کے بیان مین لکھ آئے ہین۔ یہان اُن نہرون کا ذکر کرتے ہین جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھین۔

حضرت عمرؓ نے جو نہرین طیار کرائین۔

نہر ابی موسیٰ۔ یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی جسکی طیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے مواقف ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان مین حنیف بن قیس بھی تھے۔ انھون نے نہایت پر اثر تقریر مین جو کتابون مین بالفاظہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگون کے لیے نہر کھدوا دی جائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ مین لائی گئی جسکے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔[1]

نہر معقل

نہر معقل۔ یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی مین یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل، یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ اور چونکہ اسکی طیاری کا اہتمام معقل بن یسارؓ کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیے اُنھی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد۔ اس نہر کے لیے انبار والون نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگون نے سعد وقاصؓ (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔ انھون نے بڑے اہتمام سے کام لگایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ مین آ گیا اور وہین چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے مین پہاڑ کاٹ کر

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۶ و ۳۵۷ مین اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے جغرافیہ بشاری مین بھی اسکا ذکر ہے۔

بقیہ کام پورا کیا - تاہم نہر سندھی کے نام سے مشہور ہوئی -

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رسان نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے، اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا - اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۱۸ ہجری مین جب تمام عرب مین قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے - اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا - اس لیے غلہ کے بھیجنے مین پھر بھی دیر لگی - حضرت عمرؓ نے ان وقتون پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندون کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ مین حاضر ہو - جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب مین قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا - ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہین - عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا - اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر طیار کرائی - اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم مین مل گیا - جہازات نیل سے چلکر قلزم مین آتے تھے - اور یہان سے جار پہنچکر لنگر کرتے تھے - جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ تھا - یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی - اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے مین بنکر طیار ہوگئی - چنانچہ پہلی ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن مین ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندرگاہ مین آئے - یہ نہر مدتون تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی - عمر بن عبد العزیز کے بعد عمّالون نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی - یہان تک کہ مقام ذنب التمساح

تک آکر بالکل بند ہوگئی۔ سنہ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہوگئی اور مدتوں تک جاری رہی[1]۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہجاتا ہے۔ نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی۔ تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لیجائیں گے[2]۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوئز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

(۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں۔ انکا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔

(۳) ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن انکی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دار الامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں انکا

رت عمرؓ نے جو عمارتیں
یار کرائیں،

[1] یہ تفصیل حسن المحاضرۃ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۴ میں ہے۔

[2] تقویم البلدان ابوالفداء صفحہ ۱۰۶۔

دارالامارۃ — دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر — (۲) دیوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان مین رہتا تھا۔

خزانہ — (۳) بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال مین گذر چکا۔

قیدخانے — (۴) قیدخانے۔ مدینہ منورہ کے قیدخانے کا حال صیغۂ پولیس کے بیان مین گذر چکا۔ بصرہ مین جو قیدخانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت مین شامل[1] تھا۔

مہمان خانے — (۵) مہمان خانے۔ یہ مکانات اس لیے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر مین آجاتے تھے۔ وہ ان مکانات مین ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ مین جو مہمان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمر ان یتخذ لمن یرد من الآفاق دارا فکانوا ینزلونھا[2]۔ مدینہ منورہ کا مہمان خانہ سنہ ۱۷ھ مین تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات مین اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتون کی نسبت یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھین۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہین دیتا۔ زمانۂ مابعد مین جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت مین تھا۔ اور حضرت عمرؓ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۶۔

اس کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کردی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا[1]۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائطِ صلح میں یہ امر بھی داخل تھا[2]۔

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہِ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے۔ تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر ہر منزل پہ چوکیاں اور سرائیں اور چشمے طیار ہوئے[3]۔ شاہ ولی اللہ صاحب

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے و علی ان علیھم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانھار من اموالھم۔ تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۶ھ صفحہ ۲۴۰۴ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے۔ [3] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳

ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں "ازاں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایہا و بناہہا سازند و ہر چاہیکہ انباشتہ شدہ باشد آن را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہہا را کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسّر شود۔"

شہروں کا آباد کرنا،

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر، تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ اِن اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصّے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعیّن کیا کہ بندرگاہ اُبلّہ کے قریب جہاں بحرِ فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتایا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کفِ دست بصرہ میدان پڑا ہوا تھا۔ اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان

تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہان جہان جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتارین۔ خاص سرکاری عمارتین جو تعمیر ہوئین ان مین سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ سنہ ھ مین آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اسوقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی پختہ عمارتین بنائی جائین۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص مکان مین تین کمرون سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان مین گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہانتک کہ زیاد بن ابی سفیان کے

---

[1] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہین کہ بصرہ عربی مین نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہین۔ اور یہان کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان مین ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اس کے نزدیک اصل مین یہ لفظ بس راہ تھا جسکے معنی فارسی مین "بہت سے راستون" کے ہین چونکہ یہان سے بہت سی راہین ہر طرف کو نکلتی تھین اسلیے اہل عجم اسکو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسکی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس پاس شاہان عرب نے جو عمارتین طیار کرائین تھین ان کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے۔ اور سدیر جو دراصل سہ در ہے۔

زمانِ حکومت مین صرف ان لوگون کی تعداد جنکے نام فوجی رجسٹر مین درج تھے ۸۰ ہزار، اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہان کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اِس سے کرنا چاہیے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہین پڑی۔ دنیا مین سب سے پہلی کتاب جو عربی لغت مین لکھی گئی یہین لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے۔ اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہین سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنّف سیبویہ یہین کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین مین سے حسن بصری یہین کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہوچکے تو سعد وقاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہان رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب مین لکھا کہ اہل عرب کو وہان کی آب و ہوا راس نہین آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بّری و بحری دونون حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص اِسی قسم کے کامون پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہان کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی۔ اور اِسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پائے تخت یہی مقام تھا۔ اور انکی مشہور عمارتین خورنق اور سدیر وغیرہ اِسی کے آس پاس واقع تھین منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدُّ العذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولون مثلاً اُقحوان۔ شقایق۔ قیصوم۔ خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض

سنہ ۱۷ھ مین اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴ ہزار آدمیون کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلون مین آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰-۴۰ ہات اور اُس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہات اور ۲۰-۲۰ ہات چوڑی رکھی جائین۔ اور گلیان ۷-۷ ہاتھ چوڑی ہون۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس مین ۴ ہزار آدمی آسکتے تھے اسکے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتین اوّل گھانس پھونس کی بنین لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتین طیار ہوئین۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہات لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونون پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ در اصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ستونون کی قیمت ادا کی گئی یعنی انکی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ اُن کے جزیہ مین مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہات کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جسمین بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس مین باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چندروز کے بعد بیت المال مین چوری ہوگئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھون نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملادیا جائے چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھاکر مسجد سے ملادیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگرون کے اس صلے مین دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزینہ مقرر کردیا جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لیے جدجدا مسجدین تعمیر ہوئین جو قبیلے آباد کیے گئے ان مین یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے اُنکے نام حسب ذیل ہین۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلة۔ تیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع۔ وکندة۔ ازد۔ مزینة۔ تمیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالة۔ جدیلة و اخلاط۔ جہینة۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے مین اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اُس کو راس اسلام فرماتے تھے۔ اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانۂ مابعد مین اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ سنہ ۶۴ھ مین مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیون نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہین رکھا تاہم یہ کچھ تعجب کی بات نہین کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانۂ دراز تک قائم رہے ابن بطوطہ

جس نے آٹھوین صدی مین اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اسکی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہین ہوئی یعنی ابوالاسود دُیلی نے اوّل اوّل نحو کے قواعد یہین بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہین پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہین قائم کی۔ حدیث وفقہ۔ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہان پیدا ہوئے ان مین ابراہیم نخعی حماد۔ امام ابوحنیفہ۔ امام شعبی یادگار زمانہ تھے[1]۔

فسطاط

فسطاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہان آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھکر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائین۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسرون کو لکھا تھا کہ شہر جہان بسایا جاے وہان سے مدینہ تک کوئی دریا راہ مین نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ مین دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چلکر قصر الشمع مین آئے۔ یہان ان کا وہ خیمہ ابتک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے مین اترے۔ اور وہین نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے

[1] کوفہ و بصرہ کے حالات طبری۔ بلاذری اور معجم البلدان سے لیے گئے ہین۔

الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج۔ شریک بن سمی۔ عمرو بن محزم حیویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہان مناسب سمجھین آباد کرین جس قدر محلے اس وقت تھے، اور جو قبائل ان مین آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہین۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ مین زبیرؓ مقدادؓ عبادہؓ ابو درداؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے۔ جن مین سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونون عمارتون مین سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہان بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جسکے معنی عربی مین خیمہ کے ہین۔ آبادی کا سنہ ۲۱ ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے مین ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام دفتر مین قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ مین یہان ۳۶ مسجدین ۸ ہزار سڑکین ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اس کی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ مین تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایۂ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسنے چوتھی صدی مین دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے۔ ناسخ بغداد و مفخر الاسلام۔ خزانۃ المغرب۔

لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اھلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ، یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے، تمام اسلام مین یہان سے زیادہ کسی جامع مسجد مین علمی مجلسین نہین ہوتین۔ نہ یہان سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ،،

موصل

موصل۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اُس وقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیون کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد مین شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے۔ اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہین۔ نیشاپور۔ جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے۔ اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذر گاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہان سے ضرور گذرنا پڑتا ہے ،،

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیۂ بشاری وغیرہ مین تفصیل سے ملتے ہین۔

جیزہ

جیزۃ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط مین آئے تو اس غرض کے لیے

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲۔

کہ رومی دریا کے طرف سے نہ چڑھ آئیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کردی جس میں حمیر اور ازد وھمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلالینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے۔ اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑکر اور کہیں نہیں جاسکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھکر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور سنہ ۲۲ھ میں بنکر طیار رہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلۂ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردون کی طرح قلعہ کی پناہ مین نہین رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے"۔ چنانچہ یہ قبیلہ اور اُن کے ساتھ بعض اور قبیلون نے قلعہ سے باہر کھلے میدان مین ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہین رہے۔

حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہین رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہان پیدا ہوئے ان مین سے بعض کے نام معجم البلدان مین مذکور ہین[1]۔

صیغۂ فوج

اسلام سے پہلے دنیا مین اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتین گذر چکی تھین جن کی بقیہ یادگارین خود اسلام کے عہد مین بھی موجود تھین لیکن فوجی سسٹم جہان جہان تھا غیر منتظم اور

[1] جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔

اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر مین جسکی سلطنت کسی زمانے مین تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک مین جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیرین دی جاتی تھین۔ اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہون گے۔ یہ لوگ تمام ملک مین پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ اور خاص خاص تعداد کی فوجین رکھتے تھے۔ لیکن ان فوجون کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہین ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا۔ اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔ ایران مین بھی قریب قریب یہی دستور تھا۔ فارس مین جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہین وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا۔ اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن امپائر مین

فوجی نظام فارس مین

فرانس مین سنہ ۱۱۵ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہین ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ مین جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد سنہ ۱۴۰۰ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

فوجی نظام فرانس مین

عرب مین شاہان یمن وغیرہ کے ہان فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہین تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہین پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین صرف اس قدر ہوا

کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگون پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمۂ جنگ قائم ہوا حضرت عمرؓ کی اوائلِ خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ ہی مین حضرت عمرؓ نے اِس صیغے کو اِس قدر منتظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فوجی نظام

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہین۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ مین آئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اِس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھون نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہ نے کہا ہان، یہ کہکر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور راے پوچھی۔ کہ اِس قدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزین پیش کین۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ مین نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہان فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ راے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا خیال پیدا ہوا[1]۔ ایک اور روایت مین ہے کہ راے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا۔ اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان۔ دبیر،

---

[1] مقریزی صفحہ ۹۲۔ اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹۔

دفتر، دیوان، سب ایک مادہ کے الفاظ ہین جنکا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہین،

ملک کا فوج بنانا۔

بہر حال ۱۵ھ مین حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب مین ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا، انھون نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل مین لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا مین ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا، مدینہ منورہ مین اس وقت تین شخص بہت بڑے نسّاب اور حساب کتاب کے فن مین استاد تھے، مخرمۃؓ بن نوفل، جبیرؓ بن مطعم، عقیلؓ بن ابی طالب، علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا، اور خاصکر یہ تینون بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب مین ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کرین جس مین ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، ان لوگون نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا، جس مین سب سے پہلے بنو ہاشم، پھر حضرت ابو بکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب ان لوگون نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی، لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت، خود غرضی کا آلہ بنجاتی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یون نہین بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت دارون سے شروع کرو، اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے

---

[1] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ مصر) مین لکھا ہو کہ تمام قریش مین چار شخص شعائر عرب اور انساب و اخبار کے حافظ تھے مخرمۃ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزی، عقیل بن ابی طالب۔

دور ہوتے گئے ہین اسی ترتیب سے ان کے نام آخر مین لکھتے جاؤ یہان تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو"۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفائے اربعہ مین سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر مین جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہین مقرر ہوئین[1]۔

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر مین شریک تھے،	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگِ احد،	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگون نے ہجرت کی،	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ مین ایمان لائے،	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک مین شریک تھے،	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین،	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب،	۲۰۰ درہم،

جن لوگون کے نام درج دفتر ہوئے انکی بیوی بچون کی تنخواہین بھی مقرر ہوئین چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویون کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی

[1] تنخواہون کی تفصیل مین مختلف روایتین ہین، مین نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے، ۱۲

اولادِ ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ جن لوگون کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلامون کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلامون کا کیا پایہ تھا؟

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمین قرار دی گئین۔

لہ اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہو وہ یہ ہو کہ بہت سے ظاہر بینون کا خیال ہو کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہین مقرر کین اُسکو فوجی صیغے سے چندان تعلق نہین بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہو اولاً تو جہان مؤرخون نے اس واقعہ کا شانِ نزول بیان کیا ہو لکھا ہو کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جئت الشام فرایت ملوکھا قد دونوا دیوانا وجندوا جندا فدون دیوانا وجند جندا فاخذ بقولہ یعنی مین نے شام کے بادشاہون کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہین آپ بھی دفتر بنایئے۔ اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔"

دوسرے یہ کہ جن لوگون سے جنگی خدمت نہین لیجاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتون کا استحقاق بھی نہین رکھتے تھے حضرت عمرؓ انکی تنخواہ نہین مقرر کرتے تھے۔ اسی بنا پر مکہ کے لوگون کو تنخواہ نہین ملتی تھی۔ فتوح البلدان مین ہو ان عمر کان لا یعطی اھل مکۃ عطاء ولا یضرب علیھم بعثا۔ یہی وجہ تھی کہ جب صحرا نشین بدوؤن نے حضرت ابوعبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انھون نے فرمایا کہ "جب تک آبادی مین رہنے والون کی تنخواہین مقرر نہ ہوجائین۔ صحرا نشینون کا روزینہ نہین مقرر ہوسکتا۔"

البتہ اس مین شک نہین کہ اول اول فوج کے رجسٹر مین اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے، یا کسی فن مین صاحب کمال تھے لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہو کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو لفظ درست اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا چنانچہ اسی مضمون مین آگے اسکی بحث آتی ہے۔

لہ فتوح صفحہ ۴۵۸۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات مین مصروف رہتے تھے - گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی)-

(۲) جو معمولاً اپنے گھرون پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جا سکتے تھے انکو عربی مین مطوعہ کہتے ہین اور آجکل کی اصطلاح مین اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے - البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل، والنٹیر تنخواہ نہین پاتے -

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اسمین بعض بے ترتیبیان بھی تھین سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہون کے ساتھ پولٹیکل تنخواہین بھی شامل تھین اور دونون کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ مین حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منتظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہین اور کبھی نہین ہوا تھا - چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن مین انتظامات فوجی کی اس قدر شاخین قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو **فاروق** اعظم کا لقب رکھتا تھا -

فوجی صدر مقامات

اس صیغے مین سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصون مین تقسیم کرنا تھا حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ مین فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمین کین ملکی اور **فوجی** ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر مین گذر چکا **فوجی** حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیے جنکا نام جُند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے - ان کی تفصیل یہ ہے

۱؎ جند کی تحقیق کے لیے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲ - مورخ یعقوبی نے واقعات ۲۰ھ مین لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کیے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین - جزیرہ - موصل - اور قنسرین کا نام لکھا ہے یہ صریح غلطی ہے -

مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ مصر۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق۔ مصر۔ جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انھی ممالک مین قائم کیے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہان متعدد صدر مقام قائم کرنے ضرور تھے۔ اس لیے دمشق۔ فلسطین۔ حمص۔ اردن چار صدر مقام قرار دیے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدلگیا ہے تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ کوفہ۔ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات مین جو انتظامات فوج کے لیے تھے حسب ذیل تھے۔

(۱) فوجون کے رہنے کے لیے بارکین تھین۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط۔ یہ تینون شہر تو در اصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لیے آباد ہی کیے گئے تھے۔ موصل مین عجمیون کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے، ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت مین آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلون کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جنمین چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ طیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سوارون کا رسالہ فوراً طیار ہو جائے[1]۔ سنہ ۲۱ھ مین جزیرہ والون نے دفعتہً بغاوت

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ مین ہے کان لعمر اربعة آلاف فرس عدة لکون ان کان یشتیها فی قبلة قصر الکوفة۔ والبصرة نحو منها وقیمه علیها جزء بن معاویه وفی کل مصر من الامصار الثمانیة علی قدرها فان نابتهم نائبة رکب اقوام وتقدموا الی ان یستعد الناس ۱۲

کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری، ان گھوڑون کی پرداخت اور تربیت مین نہایت اہتمام کیا جاتا تھا، مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام مین رکھا تھا، شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ[1] طیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ھنی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا، اِن گھوڑون کی رانون پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ[2] کوفہ مین اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑون کی شناخت اور پرداخت مین کمال رکھتے تھے یہان تک کہ ان کے نام مین یہ خصوصیت داخل ہوگئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے، جاڑون مین یہ گھوڑے اصطبل خانے مین رکھے جاتے تھے، چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہین اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے، بہار مین یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہون مین چرائے جاتے تھے، سلمان ہمیشہ گھوڑون کی تربیت مین نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال مین ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے،

خاصکر عمدہ نسل کے گھوڑون کو انھون نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے

---

[1] حضرت عمرؓ نے گھوڑون اور اونٹون کی پرورش اور پرداخت کے لیے عرب مین متعدد چراگاہین طیار کرائی تھین، سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ مین تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع مین واقع ہے یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی دوسری مقام ضریہ مین تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی، اس مین تقریبًا چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے، ان چراگاہون کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفٰی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ مین ہے [2] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۲۳

اہل عرب نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دو غلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے[1]،

بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبۂ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے،

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انھی مقامات میں رہتا تھا، ۔۔۔ا دفتر

(۴) رسد کے لیے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انھی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں، ۔۔۔ا غلہ

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا، اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی، جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا، ۔۔۔ ۔چھاؤنیاں

لہ کتب رجال میں ۔۔۔ن ربیعہ کا تذکرہ

---

[2] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے وکان المسلمون کلما فتحوا مدینۃ ظاہرۃ او عند ساحل رتبوا فیھا قدر من یحتاج لھا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئی منھا حدث من قبل العدو سربوا الیھا الامداد، اور صفحہ ۱۵۱ میں ہے وولی ابو عبیدۃ کل کورۃ فتحھا عاملا وضم الیہ جماعۃ من المسلمین وشحن النواحی المخوفۃ – ۱۲

۱۷ھ مین حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات مین جہان ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی ولوک منبج، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی مین ان کو فروج یا ثغور کہتے ہین) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم ونسق اور مناسب انتظامات کئے، جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیون کی بحری طاقت کی زد پر تھے اسلیے اس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا[۱]، بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحد تھا، وہان فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے[۲]، ۱۹ھ مین جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ طیاری کی ضرورت ہے، حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعون کی سر نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان مین فوجین مرتب کیجائین، اس کے ساتھ تمام دریائی منظرگاہون پر پہرہ والے تعینات کئے جائین اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے[۳]،

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳ - اصل عبارت یہ ہے قسم عمر الارزاق وسمی الشواتی والصوائف وسد فروج الشام ومسالحها واخذ يدربها وسمى ذلك فى كل كورة واستعمل عبدالله بن قيس على السواحل من كل كورة - ۱۲

[۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ مین ہے - ورتب ابو عبيدة ببالس جماعة من المقاتلة واسكنها قوماً من العرب الذين كانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام -

[۳] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ مین ہے ان معاوية كتب الى عمر بن الخطاب بعد موت اخيه يزيد يصف له حال السواحل فكتب اليه فى مرمة حصونها وترتيب المقاتلة فيها واقامة الحرس على مناظرها واتخاذ المواقيد لها -

اسکندریہ مین یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری مین جسقدر فوجین تھین اسکی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی، ایک چوتھائی ساحل کے مقامات مین رہتی تھی، باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط مین اقامت رکھتی تھی، یہ فوجین بڑے بڑے وسیع ایوانون مین رہتی تھین، اور ہر ایوان مین ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا، اور جس کی معرفت ان کو تنخواہین تقسیم ہوتی تھین، ایوانون کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی[1]،

سنہ ۲۵ھ مین جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیان قائم کر دین یہانتک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی مین جس قدر فوج تھی اسکی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لیے مخصوص کر دی[2]، عراق مین بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے، چنانچہ خاص کوفہ مین چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان مین سے ۱۰ ہزار، بیرونی مہمات مین مصروف رکھے جائین[3]، تاہم ان اضلاع مین عجمون کی جو فوجی چھاؤنیان پہلے سے موجود تھین از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئین، خریبہ اور زابوقہ مین سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیان تھین، وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئین[4]،

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ مین ہے۔ وکان لکل عریف قصر ینزل فیہ بمن معہ من اصحابہ واتخذوا فیہ اخاید، [2] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷ [3] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ مین ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ھٰذین الثغرین (ای الری واذربیجان) منھم عشرۃ الآف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ۔ [4] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔

صوبہ خوزستان مین نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیان قائم کی گئین چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور، مہرجانقذق[1] یہ تمام مقامات فوجون سے معمور ہوگئے، رے اور آذربائجان کی چھاؤنیون مین ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجین موجود رہتی تھین،

اسی طرح اور سینکڑون چھاؤنیان جابجا قائم کی گئین جنکی تفصیل کی چندان ضرورت نہین البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیون دیگئی تھی، اور فوجی مقامات کے انتخاب مین کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کرلی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، ادھر یونانی مدت سے اس فن مین مشاق ہوتے آتے تھے، اس وجہ سے شام و مصر مین اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانون کو عیسائیون سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیون کے بحری حملون کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیون کے قبضے مین تھا، اور وہان انکی قوت کو کوئی صدمہ نہین پہنچا تھا، ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہون کو نہایت مستحکم رکھا جائے، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیان قائم کین انھی مقامات مین کین جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے، عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہان سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے

فوجی چھاؤنیان کس اصول پر قائم تھین

[1] طبری صفحہ ۲۶۵۰-

رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لیے لڑتے رہتے تھے، اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو انکی اطاعت پر اطمینان نہین ہو سکتا تھا، اس لیے ان ممالک مین ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائین،

دفتری وسعت

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغون پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منتظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، فوجون کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتدا، مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریبًا تمام عرب کو محیط ہو گیا، مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے، بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع مین شمار کرتے ہین وہان کے تمام قبائل کا دفتر طیار کیا گیا، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ، وغیرہ مین جسقدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے، اس بیشمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہین مقرر کیگئین اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخون سے معلوم نہین ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتیار بند آدمی تھے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار (۳۰۰۰۰) نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی[1] کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہان ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن مین سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج

سالانہ ۳۰ ہزار فوج طیار ہوتی تھی۔

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ - امام مالک نے موطا مین ۳۰ ہزار کے بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔

تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رسے اور آذربایجان کے مہمات مین حاضر رہنا ضرور تھا، یہی نظام تھا جسکی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام مین کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت مین ضعف آتا گیا، سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس مین تبدیلی کی یعنی شیرخوار بچون کی تنخواہ بند کر دی، عبدالملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر مین سے عرب کے نام نکال دیئے اور اُسی دن درحقیقت، حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی،

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ مین آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہین، حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہانتک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُس مین داخل کیے گئے، یزدگرد شاہنشاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ طیار کیا تھا جسکی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا، یہ فوج قادسیہ مین کئی معرکون کے بعد ایرانیون سے علحدہ ہوکر اسلام کے حلقے مین آگئی، سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج مین داخل کرلیا، اور کوفہ مین آباد کرکے انکی تنخواہین مقرر کر دین[1]، چنانچہ اسلامی فتوحات مین ان کا نام بھی جابجا تاریخون مین آتا ہے، یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، سنہ ۱۷ھ مین یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سوارون کے ساتھ جن مین ستر بڑے بڑے نامی

فوج مین عجمی آدمی، ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۱۔

پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کرکے ایک دستہ طیار کرے،
ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے جب ۲۰ھ مین سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے، سیاہ کو حکم دیا کہ اس
چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع
تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی، ابو موسیٰ رضؓ
گو ان شرائط پر راضی نہ تھے، لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت
عمر رضؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کرلیے جائین چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ مین آباد
کیے گئے اور فوجی دفتر مین نام لکھا جا کر انکی تنخواہین مقرر ہو گئین، ان مین سے چھ افسرون
کی (جنکے یہ نام تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین) ڈھائی ڈھائی ہزار
اور سو بہادرون کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی، تستر کے معرکہ مین سیاہ ہی کی تدبیر
سے فتح حاصل ہوئی[1]،

باذان، نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اسکی رکاب مین جو ایرانی فوج
تھی ان مین سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے، ان کا نام بھی دفتر فوج مین لکھا گیا، تعجب یہ ہے
کہ فاروقی لشکر، ہندوستان کے بہادرون سے بھی خالی نہ تھا، سندھ کے جاٹ جنکو اہل
عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر مین شامل تھے، سوس کے معرکے کے بعد وہ اسلام
کے حلقہ بگوش ہوئے، اور فوج مین بھرتی ہو کر بصرہ مین آباد کیے گئے[2]،

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج مین شامل تھے، چنانچہ فتح مصر مین ان مین سے پانسوؤ

---

[1] طبری واقعات ۱۷ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۴، [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵،

آدمی شریکِ جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے مین آباد کیے گئے، یہودیون سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح مین ان مین سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج مین شریک[1] تھے۔

غرض حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لیے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی، یہان تک کہ مذہب و ملّت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنٹیر فوج مین تو ہزارون مجوسی شامل تھے جنکو مسلمانون کے برابر مشاہرے ملتے تھے، فوجی نظام مین بھی مجوسیون کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اسکی تفصیل غیر قومون کے حقوق کے ذکر مین آئیگی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صیغۂ جنگ کی یہ وسعت جس مین تمام قومون کو داخل کرلیا گیا تھا، صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہین پڑا، البتہ اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ جن قومون سے مقابلہ تھا انھی کے ہم قومون کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا،

کہ خرگوش ہر مرز را بے شگفت سگِ آن ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، ابتدائے انتظام مین فوجی صیغہ صاف صاف جدا گانہ حیثیت نہین رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہین پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی رجسٹر مین درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی، حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا، شروع شروع مین تنخواہ کی کمی بیشی مین قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۸ مین ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین،

ہوتا تھا، لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو صیغۂ تعلیم سے متعلق کرکے اس دفتر سے الگ کر دیا، چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا تعطا علی القرآن احداً

ونوں میں تی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے، اسلیے ضرور تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کیجائے، اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا، ادنی سے ادنی شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی، افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی، بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے،

نتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کرکے جنس اور غلّہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے[1] پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ آثار غلّہ لیا جاتا تھا، اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا، مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد، اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا، جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا، لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی[2] جس کو رعایا نے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶، اصل عبارت یہ ہے، فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیولاً فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث الیہم من المدینۃ الغنم والجزر۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۷۰ و ۲۱۶،

رسد کا مستقل محکمہ

نہایت خوشی سے قبول کیا، رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جسکا نام اھراءؔ تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اھراء ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں، چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا، اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ۱ من ۱۰ اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اس کے ساتھ فی کس ۲ اثار روغن زیتون اور ۲ اثار سرکہ بھی ملتا تھا، اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے، تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل، وردی کے ذکر میں آئے گی، ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں معونۃ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا، لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لیے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے[2]،

خوراک اور کپڑا اور بھتہ

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۷۔ اہراء کے معنی اور مفہوم کے لیے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ ۲۰۸ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۷۔ اصل عبارت یہ ہے، کان لعمر بن الخطاب اربعۃ آلاف فرس + فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ او کان محتاجا اعطاہ الفرس۔

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے، شروع محرم مین تنخواہ، فصل بہار مین بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیرون کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔[۱] تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰۰۰ اسپاہیون پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ انکو دیجاتی تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے قبیلے کے سپاہیون کو حوالہ کرتے تھے، ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ مین سنو عریف تھے، جنکے ذریعہ سے ایک کرور کی رقم تقسیم ہوتی تھی، اس انتظام مین نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق مین امراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے، عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم، وغیرہ کو بلاکر اس کی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگون نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگون کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا[۲]، عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جسکی تقلید مدتون تک کیگئی، کنزل العمال باب الجہاد مین بیہقی کی روایت ہے، اوّل من دوّن الدواوین وعرّف العرفاء عمر بن الخطاب۔

تنخواہون مین قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا،

---

[۱] طبری صفحہ ۲۴۸۶، اصل عبارت یہ ہے وامر لهم بمعاونهم فی الربيع من كل سنة وباعطياتهم فی المحرم من كل سنة وبفيئهم عند طلوع الشعرى فی كل سنة وذلك عند ادراك الغلات [۲] یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۶ و ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۳ مین ہین۔

قادسیہ مین زہرہ، عصمۃ ضبی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہین دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئین، مقررہ رقمون کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولا مین نو نو ہزار نہاوند مین چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے مین آئے تھے،

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے،

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم۔

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتین متعین کر دی تھین یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیون مین اور گرم ملکون پر جاڑون مین فوجین بھیجی جاتی تھین، اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہان تک کہ ہمارے مورخین، مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین، یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ مین کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہین وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذالک فی کل کوراۃ۔

بہار کے زمانے مین فوجون کا قیام۔

(۲) فصل بہار مین فوجین ان مقامات مین بھیجدی جاتی تھین جہان کی آب وہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا، یہ قاعدہ اوّل اوّل ۱۷ھ مین جاری کیا گیا، جبکہ مداین کی فتح کے بعد وہان کی خراب آب وہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجین شاداب اور سرسبز مقامات مین چلی جائین[1]۔

[1] تاریخ طبری مین ہو وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضیھم کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۶-

عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار مین بسر کرین اور گھوڑون کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائین،

(۳) بارکون کی تعمیر اور چھاؤنیون کے بنانے مین ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے، فوجون کے لیے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان مین اصول صحت کے لحاظ سے سڑکین اور کوچے اور گلیان نہایت وسیع ہوتی تھین حضرت عمرؓ کو اس مین اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھکر بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہرون کے ذکر مین گذر چکی،

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لین، اور ہتھیارون اور کپڑون کو درست کر لین، یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کرین جس سے تھکنے نہ پائین اور پڑاؤ وہین کیا جائے جہان ہر قسم کی ضروریات مہیا ہون چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتون کے متعلق لکھا اس مین اور اہم باتون کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی ہے۔[۵]

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، جو فوجین دور دراز مقامات پر مامور تھین ان کو سال مین ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب اونھون نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی مین دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسرون کو احکام

۵؎ عقد الفرید جلد اول صفحہ ۴۹ مین یہ فرمان بعینہ منقول ہے ۱۲

بھیج دیے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیان اُسی حد تک تھین جہانتک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کاہلی عیش پرستی سے بچنے کے لیے سخت بندشین کی تھین۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہون۔ نرم کپڑے نہ پہنین۔ دھوپ کھانا نہ چھوڑین حماموں مین نہ نہائین۔

فوج کا لباس

تاریخون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لیے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہین قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہین اُن مین صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اِس حکم کی تعمیل پر چندان زور نہین دیا گیا۔ کیونکہ سنہ ۲۱ ھ مین جب مصر مین ذمیون پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اِس مین شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اون کا جبہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ موزہ[۱]۔ حالانکہ اوّل اوّل پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج مین خزانچی ومحاسب ومترجم

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادین ہین جن کا عرب مین کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ۔ ایک محاسب۔ ایک قاضی۔ اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ مین عبدالرحمٰن بن ربیعہ۔ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب۔ ہلال ہجری مترجم[۲] تھے۔ فوج مین محکمۂ عدالت۔ سررشتہ حساب، مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵۔ [۲] طبری واقعات سنہ ۱۴ ھ صفحہ ۲۲۲۶۔

فوجی قواعد کی نسبت ہمکو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسرون کو جو احکام بھیجتے تھے اُن مین چار چیزون کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ تیر لگانا۔ ننگے پاؤن چلنا۔ اس کے سوا ہمکو معلوم نہین کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔ تاہم اس مین شبہہ نہین کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین سابق کی نسبت فنِ جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب مین جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونون طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہوجاتے تھے۔ پھر دونون طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر مین عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز مین صف بندی کا طریقہ جاری ہوا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ۔ میسرہ۔ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہین لڑتی تھی۔ سب سے پہلے سنہ ۱۵ھ مین یرموک کے معرکہ مین حضرت خالدؓ کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جسکی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفون مین تقسیم ہوکر حضرت خالدؓ کی ماتحتی مین کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

...ین
...ی

حضرت عمرؓ کے زمانے مین فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہین۔

...مختلف
...ے

قلب۔ سپہ سالار اسی حصے مین رہتا تھا۔

مقدمہ قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔

میمنہ قلب کے دائین ہات پر رہتا تھا۔

لہ علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقۂ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے اس مین لکھا ہے کہ "تعبیہ کا طریقہ اوّل اوّل مروان بن الحکم نے قائم کیا" لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ معرکہ مین اوّل اوّل خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

میسرہ	بائین ہات پر
ساقہ	سب سے پیچھے۔
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجون کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردء	جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار
فرسان	سوار
راجل	پیادہ
رماۃ	تیرانداز

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزین ساتھ رکھنی پڑتی تھین

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزین اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھین۔ فتوح البلدان مین لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے۔) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیان۔ سُوّا۔ ڈورا۔ قینچی۔ سوتالی۔ توبرا۔ چھلنی''[1]

قلعون پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے مین شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۸ھ مین طائف کے محاصرے مین اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے مین اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے۔ مثلاً ۱۶ھ مین بہرسیر کے محاصرے مین ۲۰ منجنیقین استعمال کی گئین محاصرے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۸۔

کے لیے ایک اور آلہ تھا جسکو دَبَّابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جسمین اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیئے لگے ہوتے تھے سنگ اندازون اور نقب زنون اور تیر اندازون کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اس کو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلے تھے - اِس طرح قلعہ کی جڑ مین پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیوارون کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے - بہرسیر کے محاصرہ مین یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا -

سفر مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا یعنی جو کام آجکل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاصکر مفتوحہ قومون سے لیا جاتا تھا - عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفر مینا کی خدمتون کو مصری انجام دینگے - چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیون کے مقابلے کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے - سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے - علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانون کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اسواسطے قبطی بڑی خوشی سے اِن خدمتون کو انجام دیتے تھے -

جاسوسی و خبر رسانی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا - اور اس کے لیے قدرتی سامان ہات آ گئے تھے - شام و عراق مین کثرت سے عرب آباد تھے اور ان مین سے

لہ مقریزی صفحہ ۱۶۳ مین ہے فخرج عمرو بالمسلمین: وخرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط وقد اصلحوا لھم الطرق واقاموا لھم الجسور والاسواق -

ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے اِن ممالک مین رہتے آئے تھے۔ اِس لیے کوئی واقعہ ان سے چھُپ نہین سکتا تھا۔ اِن لوگون کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگون پر ظاہر نہ کرین اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لیے دشمن کی فوجون مین جہان چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ، تکریت مین انھی جاسوسون کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے[1]۔

شام مین ہر شہر کے رئیسون نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے۔ جو قیصر کی فوجی طیاریون اور نقل و حرکت کی خبرین پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج مین لکھتے ہین[2]۔ فلما رای اہل الذمۃ وفاء المسلمین لھم وحسن السیرۃ فیھم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائھم فبعث اہل کل مدینۃ ممن جری الصلح بینھم وبین المسلمین رجالا من قبلھم یتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملکھم وما یریدون ان یصنعوا۔ اردن اور فلسطین کے اضلاع مین یہودیون کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لیے مقرر کیے گئے۔ اور اس کے صلے مین انکی مقبوضہ زمینین انکو معافی مین دے دی گئین[3]۔ اسی طرح جراجمۃ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور

[1] تاریخ شام للازدی صفحہ ۱۵۴ و طبری صفحہ ۲۰۹۴ و ۲۱۰۵ و ۲۱۴۲۔ ازدی کی عبارت یہ ہے ولما نزلت الروم منزلھم الذی نزلوا بہ دسّنا الیھم رجالا من اہل البلد کانوا نصاری وحسن اسلامھم وامرناھم ان یدخلوا عسکرھم ویکتموا اسلامھم ویأتوا باخبارھم۔ [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۸۔

ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے مین جو چیز سب سے بڑھکر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بیشمار فوجین تھین اور مختلف ملک۔ مختلف قبائل۔ مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے مین داخل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھین جہان سے دارالخلافۃ تک سینکڑون ہزارون کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اسطرح حضرت عمرؓ کے قبضۂ قدرت مین تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہین۔ اس کا عام سبب تو حضرت عمرؓ کی سطوت اور ان کا رعب وداب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامۂ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہین۔ وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ وبلغہ الذی قال عتبۃ[1]۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہین[2]۔ وکان عمر لا یخفی علیہ شیئ فی عملہ۔ پرچہ نویسی کا انتظام

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہان فوج مین کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اورون کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات مین عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان مین گستاخانہ کلمہ کہدیا تھا، فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھون نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرات نہین ہوئی۔ اس قسم کی سیکڑون

[1] طبری صفحہ ۲۲۰۸ [2] طبری صفحہ ۲۵۲۶۔

مثالیں ہیں جنکا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید۔ اخلاقی اشعار۔ اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماے صحابہ کو اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لیے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ "صیغۂ مذہبی" کے بیان میں آئے گا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا مذہب [illegible] یم و تلقین تھی۔ اور در حقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب۔ قطع علائق۔ خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سررشتۂ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لیے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام۔ تعلیم قرآن و حدیث۔ احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کی تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

بقیہ اشاعت اسلام

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہین کہ لوگون کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے۔ اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین۔ بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب انکا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین[۱]۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہین کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگون کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجین بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگون کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائین۔ چنانچہ فاتح ایران سعد وقاص کو جو خط لکھا اس مین یہ الفاظ تھے۔ وقد کنت امرتک ان تدعو من لقیت الی الاسلام قبل القتال، قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا[۲]" یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسرون کے لیے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات مین تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیون اور عیسائیون کے پاس جو اسلامی سفارتین گئین

[۱] یہ روایت طبقات ابن سعد مین موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ حیدرآباد

[۲] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

انھون نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول وعقائد اُن کے سامنے بیان کیے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قومون کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگون کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئین۔ حضرت عمرؓ کے عہد مین نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھون نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانون کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجین جس ملک مین جاتی تھین۔ لوگون کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینون کا دنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگون کو ان کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزین خود بخود لوگون کے دل کو کھینچتی تھین۔ اور اسلام اُن مین گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات مین تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیون کا سفیر جارج۔ ابو عبیدہ کی فوج مین جاکر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہوکر مسلمان ہوگیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانون کے حالات ہی سنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیون کے ساتھ مسلمان ہوگیا۔[1]

---

[1] تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ مین ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعہ من سیرۃ اہل الاسلام۔

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوّت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینون کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قومون کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قومون کے دل مین خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائیدِ آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہِ فارس نے جب خاقانِ چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیے، اور حالات سنکر یہ کہا کہ "ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے"۔ فارس کے معرکہ مین جب پارسیون کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردارِ فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ "یہ تیر بھی جن لوگون پر اثر نہین کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے"[1]۔ ابو رجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی مین مین حاضر تھا اور اُس وقت تک مین مجوسی تھا، عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیرون کو دیکھکر کہا کہ "تکلے ہین" لیکن ان ہی تکلون نے ہماری سلطنت برباد کردی"۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیون کو لکھا کہ "رومیون کی سلطنت ہوچکی۔ اب تم مسلمانون سے مل جاؤ"[2]۔

ان باتون کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام مین آباد تھے اور عیسائی ہوگئے تھے فطرۃً جس قدر انکا

---

[1] طبری واقعاتِ جنگ فارس [2] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۲۸۹۔

میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہین ہو سکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گذرتا گیا وہ اسلام کے حلقے مین آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومین نہ تھین، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہان کا بشپ جس کا نام اردکون تھا، حضرت خالدؓ کے ہات پر اسلام لایا[1]۔ ایک پیشواے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیرؤن کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہین لکھا جس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہین بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکرون سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہین۔

حضرت عمرؓ کے زمانے مین جو لوگ اسلام لائے

سنہ ۱۶ھ کے اخیر مین جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان مین سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُن کے یہ نام ہین۔ جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسی۔ رفیل۔ فیروز[2]۔ ان رئیسون کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا مین خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی[3]۔

---

[1] معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵ [3] ایضاً صفحہ ۲۸۰۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جسکا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اُسنے سیاہ کو بلاکر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ مین ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجین جب تستر پہنچین تو سیاہ اپنے سردارون کے ساتھ ان اطراف مین مقیم تھا۔ ایک دن اُسنے تمام ہمراہیون کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائینگے۔ اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کرلین۔ چنانچہ اُسی وقت سب کے سب مسلمان ہوگئے[1]۔ یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ مین اُن کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ۔ زط۔ اندغار۔ بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ تینون قومین اصل مین سندھ کی رہنے والی تھین۔ جو خسرو پرویز کے عہد مین گرفتار ہوکر آئی تھین اور فوج مین داخل کی گئی تھین۔

مصر مین بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگون کو اس بناپر کہ وہ مسلمانون سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا اور وہ فروخت ہوکر تمام عرب مین پھیل گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیجدیا۔ اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائین خواہ اپنے مذہب پر قائم رہین۔ چنانچہ ان مین سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کُل

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۴۔

کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجین آگے بڑھین تو بقارة، اور وراوة سے لے کر عسقلان تک جو شام مین داخل ہے۔ ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔[۲]

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہان کے کپڑے مشہور ہین۔ یہان کا رئیس مسلمانون کے حالات سنکر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجین دمیاط مین پہنچین تو دو ہزار آدمیون کے ساتھ شطا سے نکلکر مسلمانون سے آملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔[۳]

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ، دار السلطنة ہے، یہان تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہان زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ بنو بنہ کے نام سے آباد تھا۔ جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے مین اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا۔ اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ مین اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ مین سکونت رکھتے تھے۔

---

[۱] تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اوّل۔ [۲] مقریزی صفحہ ۱۸۴ مین ہے ولما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارة فاسلم من بها وساروا منها الی الوراوة فدخل اهلها فی الاسلام وما حولها الی عسقلان۔

[۳] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۲۶۔

پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح مین ہزار آدمی اسس خاندان کے شامل[۱] تھے۔

فسطاط مین ایک اور محلہ تھا۔ جہان صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انھین کے نام پر پارسیون کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل مین باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم شام مین پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر مین لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہان وہ عرب آباد کرائے جو شام مین سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے[۲] تھے۔ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات مین لکھتا ہے کہ "جب رومیون کی فوجین یرموک مین اترین تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ جو وہین کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگون کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کرین تاکہ رومی اُن سے بدگمان نہ ہونے پائین"۔ مورخ طبری نے سنہ ۱۴ھ کے واقعات مین لکھا ہے کہ اس لڑائی مین بہت سے اہل عجم نے مسلمانون کو مدد دی۔ جن مین سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے[۳]۔

---

[۱] اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۰ جلد اول مین ہے۔ [۲] بلاذری صفحہ ۱۵۰

[۳] طبری صفحہ ۲۳۶۱۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد مین اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہین بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمالِ مذہبی کی ترویج تھی۔ یعنی جن چیزون پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور اُن کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے مین سب سے مقدم **قرآن مجید** کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو کوششین کین ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوایفِ مسلمین منتِ **فاروقِ اعظم** در گردن اوست"

حضرت عمرؓ نے قران مجید کی جمع و ترتیب مین جو کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا۔ صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا۔ تمام ممالک مین اسکی تعلیم کو رواج دینا۔ جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہین ہوا تھا، متفرق اجزا، متعدد صحابہ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیون پر کچھ کھجور کے پتون پر، کچھ پتھر کی تختیون پر۔ لوگون کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورہ یاد تھی۔ کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑون صحابہ شہید ہوئے جن مین بہت سے حفاظِ قران تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاکر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظ قرآن اُٹھتے گئے تو قران جاتا رہے گا" اسلیے

ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے" حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا جو "کام رسول اللہؐ نے نہین کیا تو مین کیونکر کرون" حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہان تک کہ حضرت ابو بکرؓ ان کی راے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ مین سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے۔ اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہان جہان سے قران کی سورتین یا آیتین ہات آئین یکجا کی جائین حضرت عمرؓ نے مجمع عام مین اعلان کیا کہ جس نے قران کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُس پر دو شخصون کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرتؐ کے عہد مین قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اسطرح جب تمام سورتین جمع ہو گئین تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی مین پورا قران ایک مجموعہ مین لکھا جاوے۔ سعید بن العاصؓ بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے۔ نگران لوگون کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ مین اختلاف پیدا ہو تو قبیلۂ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قران مجید۔ مضر ہی کی خاص زبان مین اُترا ہے۔[1]

اس وقت قران مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑون ہزارون آدمی حافظ قران بنا دیے جائین۔ تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعرا

[1] کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۷۹ اور اتقان۔ ۱۲۔

اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہوکر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں۔

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلّم و قاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں[1]۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے انکے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵- درہم ماہوار تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا۔ چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا۔ کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصّہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے[2]۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

مکاتب قرآن

بدوؤں کو جبری تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجدئے تھے کہ بچّوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں انکی زبانی روایت ہے۔ کہ میں بچپن میں گرفتار ہوکر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھکو مکتب میں بٹھایا گیا۔

کتابت کی تعلیم

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب وعثمان بن العفان کان یرزقان المعلمین والائمۃ والمؤذنین۔ [2] اغانی جز ۱۶ صفحہ ۵۸۔ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

معلّم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور مین اچھی طرح نہین لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گاے کی آنکھین ہوتی ہین[1]"

قرا صحابہ کا تعلیم قرآن کے لیے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہ مین سے ۵ بزرگ تھے جنھون نے قرآن مجید کو آنحضرت ہی کے زمانے مین پورا حفظ کرلیا تھا۔ معاذ بن جبلؓ۔ عبادہ بن الصامتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ ابوایوبؓ۔ ابو درداءؓ ان مین خاص کر ابی بن کعبؓ۔ سید القراء تھے۔ اور خود آنحضرتؐ نے اس باب مین انکی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلاکر کہا کہ "شام کے مسلمانون کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جاکر ان کی تعلیم دیجیے" ابو ایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بیمار تھے۔ اسلیے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبون نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائین۔ وہان کچھ دنون قیام کرکے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہین چھوڑ دین باقی دو آدمیون مین سے ایک صاحب دمشق۔ اور ایک صاحب فلسطین جائین۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہان جب اچھی طرح بندوبست ہوگیا۔ تو عبادہ نے وہین قیام کیا۔ اور ابو درداء دمشق۔ اور معاذ بن جبل فلسطین۔ کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبلؓ نے طاعون عمواس مین وفات پائی[2]۔ لیکن ابو درداء حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق

---

[1] معجم البلدان۔ لغت حاضر۔ معجم مین اس روایت کو حضرت ابو بکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہین ہوئے تھے

[2] یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۸۱ مین ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔ ۱۲

مین مقیم رہے، ابودرداؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القرا مین لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد مین بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والون کا ہجوم ہوتا تھا ابودرداؓ دس دس آدمیون کی الگ الگ جماعت کردیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے۔ کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والون پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کرلیتا تھا تو ابودرداؓ خود اس کو اپنی شاگردی مین لیتے تھے۔ ایک دن ابودرداؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم اُن کے حلقۂ درس مین موجود تھے۔

تعلیم قران کا طریقہ۔

دمشق کی مسجد مین طلبۂ قران کی تعداد

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیرون کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتون یعنی بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ حج۔ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھین۔ کیونکہ ان مین احکام و فرائض مذکور ہین[1]۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھین ان کی تنخواہین مقرر کردی جائین[2] (بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کردیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتین لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان مین یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھین وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانون کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیرون کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانون کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظون کی تعداد بھی سیکڑون ہزارون تک پہنچ گئی۔ فوجی افسرون کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ "حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیجدو تاکہ مین

اشاعت قران کے وسائل

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۴ [2] ایضاً صفحہ ۲۱۶۔

حافظون کی تعداد
ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جا بجا بھیجوں، تو سعد وقاص نے جواب مین لکھا کہ صرف میری فوج مین تین سو حافظ موجود ہین[1]۔

صحت اعراب کی تدبیرین
تیسرا امر یعنی صحت اعراب وصحت تلفظ اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب ومدوّن ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہین ہوا تھا۔ اس لیے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اعراب وتلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا حضرت عمرؓ نے اس کے لیے مختلف تدبیرین اختیار کین۔

سب سے اوّل یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ وصحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہین تعلّمُوا اعرابَ القرآنِ کمَا تعلّمُونَ حِفْظَہ اور مسند دارمی مین یہ الفاظ ہین تعلموا الفرایض واللحن والسُّنَن کمَا تعلمُوا القرآن۔

ادب اور عربیت کی تعلیم
دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت وغلطی کی تمیز کر سکین۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے[2]۔

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج مین نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگون کو روایتِ حدیث کی اجازت نہین دیتے تھے۔

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۲۸۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہین "چنانکہ فاروق اعظم۔ عبداللہ بن مسعودؓ را باجمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن مغفلؓ و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامتؓ و ابودرداءؓ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند[1]" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ انکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہین، انکے ذاتی حالات مین، اُن کے فضل وکمال کا جہان ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لین گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقیہہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے اُسکو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہین۔ مسائل فقیہہ کی ترویج کے لیے جو تدبیرین اختیار کین حسب ذیل ہین۔

مسائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہان تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس مین تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ مین حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطا امام محمد مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات مین خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیے[2]۔ اسی طرح شام وبیت المقدس وغیرہ کے سفر مین وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے ان مین اسلام

[1] ازالۃ الخفاء جزء دوم صفحہ ۶ [2] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷-

کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کیے۔ اور چونکہ ان موقعون پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لیے اُن مسائل کا اِس قدر اعلان ہوجاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق مین بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہا نے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے مین جابجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسرون کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعیین مین مجتہدین آج تک مختلف ہین تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا مین بعینہ اُس کی عبارت نقل کی ہے۔ اِسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ دو نمازون کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ مین تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے[۱]۔ ۱۴ھ مین جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی مین قائم کی تو تمام اضلاع کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھکر ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر افسرانِ ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھذا کتاب الصدقۃ الخ قضا۔ اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

[۱] موطا امام محمد صفحہ ۱۲۹۔

مردی علیم کا انتظام

حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک دفعہ لکھا کہ "مین نے سنا ہے کہ مسلمان عورتین حمامون مین جا کر عیسائی عورتون کے سامنے بے پردہ نہاتی ہین لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورتا کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہین" روزہ کے متعلق تمام عمّال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکونوا من المسوفین لفطرکم، زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگون کے پاس آیا کہ انَّ المرأۃ لا تصوم تطوعًا الا باذن زوجھا، ابو وایل کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو لکھا کہ اِنَّ الاھلۃ بعضھا اکبر من بعضٍ اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالین ہین۔

مسائل فقہیہ مین اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہون چنانچہ بہت سے مسائل جن مین صحابہ کا اختلاف تھا انکو مجمع صحابہ مین پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین لکھتے ہین اِنَّ عمر استشار فی السارق فاجمعوا[۱] الخ غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگون نے مختلف رائین دین۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدرٍ وقد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر آپس مین مختلف الرائے ہین تو آیندہ آنے والی نسلون مین اور سخت اختلاف ہو گا

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۶۔

چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور انکی راے قطعی قرار پاکر شائع کی گئی[1]
اس جنازہ کی تکبیر مین نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منقح بات
طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

مسائل فقہیہ مین اجماع

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان مین یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے
کہ عالم اور فقیہ ہون، چنانچہ بہت سے مختلف موقعون پر اس کا اعلان کر دیا تھا، ایک
دفعہ مجمع عام مین خطبہ دیا جس مین یہ الفاظ تھے۔ اِنّی اشھدکم علی امراء الامصار
انی لم ابعثھم الا لیفقھوا النّاس فی دینھم، یعنی مین تمکو گواہ کرتا ہون کہ مین نے
افسرون کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگون کو مسائل اور احکام بتائین۔" یہ التزام ملکی افسرون
تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسرون مین بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب
لکھتے ہین اِنَّ عُمر بن الخطاب کَانَ اذا اجتمع الیہ جیش[2] من اھل الایمان
بَعَثَ علیھم رجلا من اھل الفقہ و العلم، یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے
عہد کے فوجی اور ملکی افسرون مین ہم حضرت ابو عبیدہؓ۔ سلمان فارسیؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ
معاذ بن جبلؓ وغیرہ کا نام پاتے ہین۔ جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل مین بھی
ممتاز تھے اور حدیث و فقہ مین اکثر ان کا نام آتا ہے۔

(۴) تمام ممالک محروسہ مین فقہا اور معلم متعین کیے کہ لوگون کو مذہبی احکام کی
تعلیم دین، مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہین لکھا اور اس

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۸۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

وجہ سے ان معلّموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکتی تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبد اللہ مغفل رضی اللہ عنہ کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ منجملہ اُن دس بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں"۔ عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، انکی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وَکَانَ مِمَّنْ بَعَثَهُمْ عُمَرُ بنِ الخطاب الی اھل البصرۃ لیفقھھم، یعنی یہ اُن لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا۔ اور صاحب اسد الغابہ نے انھی کے حالات میں لکھا ہے کہ "یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھلائی"۔ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں۔ اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں حبان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا"۔

ان فقہا کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرۃ الذین بعثھم عمر الی البصرۃ یفقھون الناس۔ ۱۲

اور شائقین علم نہایت کثرت سے اُن کے گرد حلقہ کی صورت مین جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ مین حمص کی مسجد مین داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہان تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب انکو کسی مسئلے مین شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مین نے لوگون سے اُس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ "معاذ بن جبل ہین"[1] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد مین آتے تھے تو اُن کے ساتھ لوگون کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے[2]۔

فقہا کی تنخواہین

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِن فقہا کی تنخواہین بھی مقرر کی تھین۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہین ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگون کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء، عبادہ بن الصامت، عبدالرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام مین انتخاب تھے۔ اس کی تصدیق کے لیے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ مین اِن لوگون کے حالات دیکھنے چاہئین۔

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا۔

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاصکر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جنمین صحابہ کا اتفاق رائے

[1] تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل [2] ایضاً ذکر ابو درداء۔

ہو چکا تھا یا جو مجمعِ صحابہ مین پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہین اس مقام پر نقل کرتے ہین۔

"و معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجالِ مخالفت نبود۔ در جمیع این امور شذر و نذر نمیرفتند و بدون استطلاعِ راے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند۔ لہذا درین عصر اختلافِ مذاہب و تشتت آرا واقع نشد۔ ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع۔ چون ایامِ خلافتِ خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافتِ عامہ ظہور نمود۔ علما در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتوے می دہد۔ و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند۔ و ابوہریرۃ اوقاتِ خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف میسازد۔ بالجملہ درین ایام اختلاف فتاوے پیدا شد۔ یکے را بر راے دیگر اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ۔ و اگر مذاکرہ بمیان آمد ازاحتِ شبہہ و خروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایتِ علمائے صحابہ کہ پیش از انقراضِ خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند۔ ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم۔ امّا درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمنِ فاروقِ اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض ست"

عملی انتظام

یہ تمام امور جنکا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے۔ ہر شہر و قصبہ مین امام و مؤذن مقرر کیے۔ اور بیت المال سے ان کی تنخواہین مقرر کین۔ علامۂ ابن الجوزی سیرۃ العمرین مین لکھتے ہین ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ۔ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی مین صفون کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے[1]۔ حج کے زمانے مین اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیون کو مقام منا مین عقبہ کے پار پہنچا آئین[2]۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اِسی طرف ٹھہر جاتے تھے۔ حالانکہ وہان ٹھہرنا مناسکِ حج مین محسوب نہ تھا۔

امامون اور مؤذنون کا تقرر

حاجیون کی قافلہ سالاری

چونکہ عہدِ خلافت مین متصل ۱۰ حج کیے اس لیے میر حاج، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ مین نہایت کثرت سے مسجدین طیار کرائین۔ ابو موسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ "بصرہ مین ایک جامع مسجد، اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدین تعمیر کیجائین"۔ سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے، شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر مین ایک مسجد تعمیر کیجائے[3]۔ چنانچہ یہ مسجدین آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہین گو انکی اصلی عمارت اب باقی نہین رہی ہے۔ ایک جامع عمری جو بیروت مین واقع ہے راقم کو بھی

[1] موطا امام محمد صفحہ ۸۶۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۲۹۔ [3] تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں" یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زیب و زینت پر توجہ کی، اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی، اس لیے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکان مول لیکر ڈھا دیئے۔ اور انکی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اُسکی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[1]۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے[2] اور مصر میں بنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۲ میل اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدودِ حرم کے پورے واقفکار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل۔ ازہر بن عبد عوف۔ حویطب بن عبد العزےٰ۔ سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیئے گئے۔

[1] الاحکام السلطانیۃ للماوردی ۱۵۲۔ وفتوح البلدان صفحہ ۴۶ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۔

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرتؐ کے عہد مین جو عمارت طیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لیے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیون کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷ ھ مین حضرت عمرؓ نے اُسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد وپیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لیے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انھون نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہین۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ "اب مین بلاقیمت عامہ مسلمین کے لیے دیدیتا ہون"۔ غرض ازواج مطہراتؓ کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتین تھین ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا اُنھون نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض مین بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت مین کچھ تکلف نہین کیا گیا، آنحضرتؐ کے عہد مین جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے رہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ مین ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگون سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی یا شعر پڑھنا ہو، اس کے لیے یہ جگہ ہے[1]۔

مسجد مین فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد مین روشنی کا کچھ سامان نہین تھا۔ اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد مین ہوئی یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد مین چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد مین خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا۔ جسکی ابتدا یون ہوئی کہ ایک دفعہ

[1] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳۔

مالِ غنیمت مین عود کا ایک بنڈل آیا حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد مین صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانون کے کام آئے۔ چنانچہ موذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی مین جلاکر نمازیون کے سامنے پھرتا تھا اور انکے کپڑے بساتا تھا[۱]۔ فرش کا انتظام بھی اوّل حضرت عمرؓ ہی نے کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا۔ بلکہ اسلام کی سادگی یہان بھی قائم تھی۔ یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیون کے کپڑے گرد و خاک مین آلودہ ہون۔

متفرّق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغون کا حال اوپر گذر چکا، لیکن انکے علاوہ، اور بہت سے جزئیات ہین جنکے لیے جدا جدا عنوان نہین قائم کیے جا سکتے اس لیے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا۔

ان مین سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزون کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لیے جاہلیت مین بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

---

[۱] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۷۴۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتدا یون ہوئی کہ سنہ ۱۶ھ مین حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اُسی وقت مجلس شورےٰ منعقد کی۔ تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے، اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثرون نے راے دی کہ فارسیون کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ مین مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہان جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہین اور اس مین مہینہ اور تاریخ دونون کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اِسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آنحضرت صلعم نے ربیع الاوّل مین ہجرت فرمائی تھی یعنی سال مین دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاوّل سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب مین سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔[1]

عرب مین اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ مین ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہان تک کہ جب سنہ ۱۴ھ مین اُبلّہ فتح ہوا تو تمام فوج مین ایک شخص نہ تھا جسکو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالِ غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کرسکتا۔ مجبوراً لوگون نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اِس صلے

[1] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۲۸۴۔

مین اُنکی تنخواہ ۲ دو درہم یومیہ مقرر کی[1] - یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے طیار ہوئے -

سب سے مشکل اور پُرپیچ روزینہ دارون کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے - اور جنمین ہر قسم کی فوجین بھی شامل تھین - انکی تعداد لاکھون سے متجاوز تھی اور مختلف گروہون کو مختلف حیثیتون سے تنخواہ ملتی تھی - مثلاً بہادری کے لحاظ سے - شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگذاریون کے لحاظ سے اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر ہر قبیلہ کا جداجدا رجسٹر تھا - اور ان مین بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی - اس صیغے کے حساب وکتاب کی درستی کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگون کو مامور کیا، مثلاً دارالخلافہ مین عقیل بن ابی طالب - مخرمہ بن نوفل - جبیر بن مطعم کو بصرہ مین مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ مین عبداللہ بن خلف کو -

مختلف قسم کے رجسٹر

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین - فارسی - شامی قبطی زبان مین رہا - کیونکہ عرب مین اس فن کو اس قدر ترقی نہین ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان مین منتقل ہو سکتا -

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتّب رہتا تھا - زکوۃ اور صدقہ مین جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے - چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانورون کا حلیہ، رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی - اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہات سے لکھتے تھے[2]

---

[1] طبری صفحہ ۲۳۸۸ - [2] طبری ۲۶۳۶ -

مصارفِ جنگ کے کاغذات

مصارفِ جنگ اور مالِ غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسرون سے طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی پہلی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہین قبول کرتے تھے۔[۱] جلولا کی فتح مین جو ۱۶ھ مین واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ مین آئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔[۲]

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اسکے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صنفتون کے لحاظ سے بھی نقشے طیّار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہین۔ انکی فہرست طیّار کی جائے۔ شاعرون کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قومون یا اور لوگون سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے، وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق مین رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام مین رہتا تھا۔[۳]

کاغذاتِ حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اُسوقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح ہمارے ملک مین مہاجنون کی بہیان ہوتی ہین۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے مین اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

---

[۱] اصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن ولید [۲] طبری صفحہ ۲۴۶۵ [۳] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۲۹۵۔

سکہ

سکّہ کی نسبت اگرچہ عام مؤرخون نے لکھا ہے کہ عرب مین سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا، وہ عبدالملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہین چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہین۔

"جب امیرالمومنین عمرؓ خلیفہ ہوئے اور خدا نے اُن کے ہات پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انھون نے سکہ کے معاملہ مین کچھ دخل نہین دیا۔ بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دیے ۱۸ھ مین جب مختلف مقامات سے سفارتین آئین تو بصرہ سے بھی سفرا آئے جن مین احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگانِ بصرہ کی ضروریات ... بیان کین، حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا، جنھون نے بصرہ مین ایک نہر طیار کرائی جسکا نام نہر معقل ہے، اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل حضرت عمرؓ نے اسی زمانے مین یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلّہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے۔ اُسی زمانے مین حضرت عمرؓ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے۔ جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکون پر الحمد للہ اور بعض سکون پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے مین دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔[1]"

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ مین

---

[1] دیکھو کتاب النقود الاسلامیہ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب ۱۲۹۸ھ صفحہ ۴ و ۵۔

ترمیم واصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ مین لکھا ہے کہ ایران مین تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہین اس لیے دونون کو ملاکران کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔[1]

ذمّی[2] رعایا کے حقوق

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیے اس کا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتون سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ مین جو سلطنتین تھین وہ روم اور فارس تھین ان دونون سلطنتون مین غیر قومون کے حقوق، غلامون سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیون کے ہم مذہب تھے تاہم انکو اپنی مقبوضہ زمینون پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہین تھا۔ بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے۔ وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیون کا حال اور بدتر تھا۔ بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس مین جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

---

[1] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۴۷۔ [2] ذمی سے وہ قومین مراد ہین جو مسلمان نہ تھین لیکن ممالک اسلام مین سکونت رکھتی تھین۔

حضرت عمرؓ نے جب اِن ممالک کو زیرنگین کیا تو دفعۃً وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق انکو دیے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہین رہے۔ بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والون مین ہوتا ہے مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم انکو اس مقام پر بعینہٖ نقل کرتے ہین جس سے اِس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اِس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے باایں ہمہ دعوی تہذیب، اِس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کہین دیے ہین؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخون مین جو معاہدے منقول ہین ان مین بعض مفصل اور باقی مجمل ہین۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ مُمِل کا باعث تھا اس لیے اکثر معاہدون مین کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی مین اور اُن کے الفاظ مین لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطى عبد الله عمر امير المومنين	یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے
اهل ايلياء من الامان اعطاهم امانا	لوگون کو دی۔ یہ امان ان کی جان۔ مال۔ گرجا۔ صلیب
لانفسهم واموالهم ولكنائسهم	تندرست۔ بیمار۔ اور اُن کے تمام مذہب والون کے لیے ہے
وصلبانهم وسقيمها وبريها وسائر ملتها	اسطرح پر کہ انکے گرجاؤن مین نہ سکونت کیجائیگی نہ وہ ڈھائے
انه لا يسكن كنائسهم ولا تهدم ولا	جائین گے۔ نہ انکو یا انکے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائیگا
ينتقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم	نہ انکی صلیبون اور اُن کے مال مین کچھ کمی کی جائے گی
ولا من شيء من اموالهم ولا يكرهون على دينهم	مذہب کے بارے مین اُنپر جبر نہ کیا جائیگا نہ اُنمین سے

ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايلياء معهم احد من اليهود - وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطي اهل المداين وعليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فهو امن على انفسهم وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امن وعليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلي بيعهم وصلبهم فانهم امنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية شهد على ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاوية بن ابي سفيان وكتب وحضر سنة ١٥ھ [1]

کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا - ایلیا مین انکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائین گے - ایلیا والون پر یہ فرض ہے کہ اور شہرون کی طرح جزیہ دین اور یونانیون کو نکالدین - ان یونانیون مین سے جو شہر سے نکلیگا اسکی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ مین پہنچ جائے - اور جو ایلیا ہی مین رہنا اختیار کرے تو اسکو بھی امن ہے اور اُسکو جزیہ دینا ہوگا - اور ایلیا والون مین سے جو شخص اپنی جان اور مال لیکر یونانیون کے ساتھ چلاجانا چاہے تو ان کو اور انکے گرجاؤن کو اور صلیبون کو امن ہے یہانتک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائین اور جو کچھ اس تحریر مین ہے - اس پر خدا کا، رسول خدا کا، خلفا کا، مسلمانون کا ذمہ ہے - بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہین - اس تحریر پر گواہ ہین خالد بن الولید رضؓ - اور عمرو بن العاص رضؓ - اور عبد الرحمن بن عوف رضؓ اور معاویہ بن ابی سفیان رضؓ - اور ۱۵ھ مین لکھا گیا -

اس فرمان مین صاف تصریح ہے کہ عیسائیون کو [illegible] مذہب اُس طرح سے

[1] دیکھو تاریخ ابوجعفر جریر طبری فتح بیت المقدس -

محفوظ رہیگا، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہین انہی تین چیزون سے تعلق رکھتے ہین۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائین گے نہ انکی عمارات کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ اُن کے احاطون مین دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم، عیسائیون کے خیال مین چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیون نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس مین پیش آیا تھا اس لیے انکی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس مین نہ رہنے پائین گے، یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانون سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانون کے اصلی عدو تھے۔ تاہم اُن کے لیے یہ رعائتین ملحوظ رکھین کہ بیت المقدس مین رہنا چاہین تو رہ سکتے ہین۔ اور نکل جانا چاہین تو نکل جا سکتے ہین۔ دونون حالتون مین اُن کو امن حاصل ہوگا۔ اور اُن کے گرجاؤن اور معبدون سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہین کہ وطن سے نکلکر رومیون سے جاملین تو اس پر بھی اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اُن کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس مین ہین سب محفوظ رہین گے"۔ کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھکر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے۔؟

سلسلہ باب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیون کی جان و مال کو مسلمانون کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ، فوراً اُس کے بدلے مسلمان کو قصاص کرا دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثون کو دیدیا جائے

چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جسکا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اُس نے اس کو قتل کر ڈالا[1] مال اور جائداد کے متعلق اُن کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جسقدر زمینین انکے قبضے مین تھین اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئین جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُنکے قبضے مین تھین، یہان تک کہ مسلمانون کو اُن زمینون کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان مین لکھ آئے ہین۔

بندوبست مالگذاری مین ذمیون کا خیال

مالگذاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہین ان پر سختی تو نہین کی گئی - چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا - ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ شخص کوفہ اور ۱۰ شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے مین کچھ سختی تو نہین کی گئی ہے[2]۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہین مقرر کی گئی[3]۔

ذمیون سے ملکی انتظامات مین مشورہ۔

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی مین انکو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان انتظامات مین جنکا تعلق ذمیون سے ہوتا تھا ذمیون کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہین کرتے تھے، عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسہ[4] مین

[1] الدرایۃ فی تخریج الہدایۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۶۰ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ مین عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث وادیم واقفا علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بو ریح سے وھو یقول لہما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق۔

مدینہ مین بلاکر مالگذاری کے حالات دریافت کیے۔ مصر مین جو انتظام کیا اس مین مقوقس سے اکثر رائے لی۔[1]"

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیون کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے۔ بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ انکی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اسکی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اس کو معاوضہ مین دلوائے[2]، اضلاع کے حکام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیون پر کسی طرح کی زیادتی ہونے پائے۔ خود بالمشافہ لوگون کو اسکی تاکید کرتے رہتے تھے قاضی ابویوسفؒ نے کتاب الخراج باب الجزیہ مین روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آرہے تھے تو چند آدمیون کو دیکھا کہ دھوپ مین کھڑے ہین اور اُن کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے لوگون سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگون نے جزیہ نہین ادا کیا ہے اس لیے ان کو سزا دیجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگون نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ "چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگون کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا مین لوگون کو عذاب پہنچاتے ہین خدا قیامت مین انکو عذاب پہنچائے گا"، حضرت ابوعبیدہؓ کو شام کے فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس مین یہ برقرار دیا۔

ذمیون کی شرائط کا ایفا

سان کو قرار تھے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ ۲، [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

وامنع المسلمین من ظلمهم والاضرار بهم | مسلمانونکو منع کرنا کہ ذمیون پر ظلم نہ کرنے پائین نہ انکو نقصان
وکل اموالهم الا بحلها ووف لهم بشرطهم | پہنچانے پائین ۔ نہ انکا مال بیوجہ کھانے پائین اور جس قدر
الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتهم [۱] | شرطین تم نے اُن سے کی ہین سب وفا کرو۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصّل وصیت فرمائی تھی۔ اِس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ، اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیه بذمة الله وذمة رسوله ان | یعنی مین ان لوگون کے حق مین وصیت کرتا ہون جنکو خدا اور رسول
یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم | کا ذمہ دیا گیا ہو (یعنی ذمی) کہ اُنسے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی
وان لا یکلفوا فوق طاقتهم [۲] | حمایت مین لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف دیجائے۔

اِس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیون کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے، اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی۔ غرفہ نے اس کے منھ پر تھپّڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی، انھون نے غرفہ کو بلا بھیجا اور بازپرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا "ذمیون سے امن کا معاہدہ ہوچکا ہے" غرفہ نے کہا "نعوذ باللہ انکو یہ اجازت ہرگز نہین دی گئی ہے کہ رسول اللہؐ کو علانیہ گالیان دین۔ اُس سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤن مین جو کچھ چاہین کرین، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم انکی طرف سے سینہ سپر ہوکر لڑین اور

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۲ [۲] صحیح بخاری صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ میرٹھ

مذہبی امور مین آزادی

ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ متحمل نہون" عمرو بن العاص نے کہا ہان یہ سچ ہے[1] اس واقعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ذمیون کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی امور مین ذمیون کو پوری آزادی حاصل تھی - وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے علانیہ ناقوس بجاتے تھے، صلیب نکالتے تھے - ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے - ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے، بالکل برقرار رکھے گئے تھے - مصر مین اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیون کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا - عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ھ مین اسکو تحریری امان لکھکر بھیجی وہ نہایت ممنون ہوکر آیا - اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی - چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۹۲ جلد اول) مین اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے - معاہدات مین اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا - چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین - حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والون کو جو تحریر لکھی تھی اس مین یہ الفاظ تھے -

لا یغیرون عن ملۃ ولا یحال بینهم وبین شرائعهم[2]،	انکا مذہب نہ بدلا جائیگا - اور انکے مذہبی امور مین کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی -

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا -

لهم الامان علی انفسهم واموالهم ومللهم وشرائعهم ولا یغیر شیٔ من ذالک[3]،	انکے جان اور مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس مین سے کسی شے مین تغیر نہ کیا جائے گا -

آذربائجان کے معاہدہ مین یہ تصریح تھی -

[2] طبری صفحہ ۲۶۳۲ -
[3] طبری صفحہ ۲۶۵۶ -

الامان علی انفسھم و اموالھم و ملّلھم و شرائعھم[1] جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ مین یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالھم و انفسھم و ملتھم و شرائعھم جان۔ مال۔ مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصبِ خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہین تک جہانتک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا۔ ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہین کیا جاسکتا۔ استیق ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو ہمیشہ مذہبِ اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب مین زبردستی نہین[2] ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیون اور مسلمانون مین کوئی تمیز نہین رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمّی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُس کے قصاص مین قتل کر دیا جاتا تھا مسلمان اگر ذمّی سے سخت کلامی کرتے تھے تو باداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیون سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہین لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے مین مسلمانون سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جسکی مقدار دونون سے زیادہ تھی، اس کے سوا عشور مسلمانون سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اسکی شرح بمقابلہ ذمیون کے کم تھی، بیت المال سے والنٹیرون کو گھر بیٹھے جو تنخواہین ملتی تھین ذمّی بھی اس مین برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ

مسلمانون اور ذمیون کی ہمسری۔

[1] طبری ۲۶۶۲۔ [2] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد پنجم صفحہ ۴۹۔

ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہین پیدا کر سکتا تھا، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا، اِسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیون کے ساتھ بھی مرعی تھی، اوّل اوّل یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے حیرۃ کی فتح مین جو معاہدہ لکھا اس مین یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل	اور مین نے انکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور
او اصابہ آفۃ من الآفات او کان غنیًا	ہو جائے یا اسپر کوئی آفت آئے یا پہلے دولتمند تھا پھر غریب
فافتقر وصار اھل دینہ یتصدقون علیہ	ہو گیا اور اسوجہ سے اسکے ہم مذہب اسکو خیرات دینے لگے تو
طرحت جزیتہ وعیل من بیت مال المسلمین	اسکا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اسکو اور اسکی اولاد کو مسلمانون
وعیالہ ما اقام بدار الھجرۃ ودار الاسلام	کے بیت المال سے نفقہ دیا جائیگا جب تک وہ مسلمانون کے ملک
فان خرجوا الی غیر دار الھجرۃ ودار الاسلام	مین رہے لیکن اگر وہ غیر ملک مین چلا جائے تو مسلمانون
فلیس علی المسلمین النفقۃ علی عیالھم[1]	پر اسکا نفقہ واجب نہ ہو گا۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا۔ یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ۔ (صدقہ اور خیرات فقیرون اور مسکینون کے لیے ہے) اسمین فقراء کے لفظ سے مسلمان، اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہین۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۵۔

بھیک کیون مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہین" حضرت عمرؓ اس کو ساتھ گھر پر لوا لائے۔ اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذورون کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیا جائے۔ اِسی واقعہ مین آیت مذکورۂ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہین کہ ان لوگون کی جوانی سے ہم متمتع ہون اور بڑھاپے مین انکو نکال دین[1]"۔

ذمیون کی عزت کا خیال

ذمیون کی عزت و آبرو کا اُسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا، اُنکے نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترکِ دنیا مین تمام عہدہ داران خلافت مین کوئی ہمسر نہ تھا۔ ایک دفعہ اُن کے منھ سے ایک ذمی کی شان مین یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خدا تجھکو رسوا کرے۔ اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر نوکری سے استعفا دیدیا۔ اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[2]۔

سازش اور بغاوت کی حالت مین ذمیون کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھکر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیون نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی اُنکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتون کو تہذیب و ترقی کا دعوے ہے رعایا کے ساتھ انکی تمام عنایت اُسی وقت تک ہے جب تک انکی طرف سے کوئی پولیٹکل شبہہ پیدا ہو۔ ورنہ دفعۃً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پُرغیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومین بھی اُس سے کچھ زیادہ نہین کر سکتین۔

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۲ [2] دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۳۔

برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت مین جادۂ انصاف سے ذرا نہین ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جسکا نام عربسوس تھا اور جس کی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہوگیا۔ لیکن یہان کے لوگ درپردہ رومیون سے سازش رکھتے تھے۔ اور ادھر کی خبرین انکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہان کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے انکی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر انکی جائداد۔ زمین۔ مویشی۔ اور اسباب ہے سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دیدو، اور ان سے کہو کہ اور کہین چلے جائین، اگر اسپر راضی نہ ہون تو انکو ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلاوطن کردو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی ہے[1]۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیون کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیون نے ہر موقع پر خود اپنی ہم مذہب سلطنتون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانون کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ مین مینا بازار لگاتے تھے، اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل طیار کراتے تھے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنون کے ہر قسم کے راز مسلمانون سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انھی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیون کو مسلمانون کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہوگیا تھا اسکا اندازہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۶ -

اِس سے ہوسکتا ہے کہ جنگِ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیون نے توریت ہات مین لیکر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہین کبھی رومی یہان نہ آنے پائین گے"، عیسائیون نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیون کی بہ نسبت کہین بڑھکر ہمکو محبوب تھے"

اخیر مین ہمکو اُن واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے جنکی وجہ سے لوگون کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے، یا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یا خود اسلام نے ذمیون کے ساتھ نا انصافی کا سلوک کئے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اِس مسئلے کو مخالف اِس طرح بیان کرسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیون کے حق مین یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ مین کسی طرح مسلمانون کا تشبہ نہ کرنے پائین۔ کمر مین زنّار باندھین لمبی ٹوپیان پہنین۔ گھوڑون پر کاٹھی کسین، نئی عبادتگاہین نہ بنائین۔ شراب اور سُور نہ بیچین ناقوس نہ بجائین صلیب نہ نکالین۔ بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائین اِن سب باتون پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی مین ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا۔ اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑون برس سے عرب مین آباد تھے جلاوطن کردیے

بے شبہہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہین، اور ہم ان کے جواب دینے مین کسی قدر تفصیل سے کام لین گے۔ کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیے ہین۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانون کو غیر قومون کی مشابہت اور غیر قومون کو مسلمانون کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتون کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث مین تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیون کو جس

لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیون کا قدیم لباس تھا، یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہان ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمرؓ کا معاہدہ جسکو کنز العمال وغیرہ مین نقل کیا ہے، اگرچہ راویون نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کردیا ہے تاہم جہان ذمیون کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلان فلان لباس نہ پہنین گے وہان یہ الفاظ بھی ہین۔ وان نلزم زیّنا حیث ما کنا۔[1] یعنی ہم وہی لباس پہنین گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زُنّار جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان مین ہے اسکی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر غلطیان کی ہین۔ انکا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیؤ ہوتا تھا، اور اس سے ذمیون کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ زنّار کے معنی پیٹی کے ہین اور عرب مین یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی مین مستعمل ہے، پیٹی کو عربی مین منطقہ بھی کہتے ہین اور اس لحاظ سے زنّار اور منطقہ مرادف الفاظ ہین، ان دونون الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔ کنز العمال[2] مین بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا ونلزموا ھم المناطق یعنی الزنانیر۔ اسی زنار کو کستیج بھی کہتے تھے۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ مین بجاے زنار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ[3] و الاشراف مین لکھا ہے کہ عجم کی

---

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۰۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۰ [3] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷۔

اس قدیم عادت کی وجہ مین نے کتاب مروج الذہب مین لکھی ہے" ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیون کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا۔ وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیان جو نرسل کی ہوتی تھین۔ وہی عجم کی ٹوپیان تھین۔ جسکا نمونہ پارسیون کے سرون پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس مین پیٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنار۔ یا منطقہ۔ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی۔ منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی۔ اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس حضرت عمرؓ نے ذمیون کے لیے قرار دیا تھا۔ وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور انکی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیون کو نئی عبادت گاہین بنانے۔ شراب بیچنے۔ صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے۔ اصطباغ دینے سے، روکنا بے شبہہ مذہبی دست اندازی ہے۔ لیکن مین بیاکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہون کہ یہ احکام جن قیدون کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مورخون نے اُن قیدون کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے مین جو الفاظ تھے اس مین یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادی اھل الاسلام صلیبا[1]، یعنی مسلمانون کی مجلس مین صلیب نہ نکالین۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی۔ یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔

او نہاراً الا فی اوقات الصلوٰۃ[1] یعنی ذمّی رات دن مین جب وقت چاہین، ناقوس بجائین

بجز نماز کے اوقات کے" سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیراً من منازلھم

الی افنیۃ المسلمین یعنی ذمّی سور کو مسلمانون کے احاطہ مین نہ لے جائین۔

اِن تصریحات کے بعد کسیکو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا، یا ناقوس بجانا عموماً منع

نہ تھا، بلکہ خاص حالات مین ممانعت تھی، اور اِن حالات مین آج بھی ایسی ممانعت خلافِ

انصاف نہین کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ امر، بنی تغلب عیسائیون کی اولاد

کا اصطباغ نہ دینا ہے۔ عیسائیون مین دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ

دیدیتے ہین، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آیندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نکرنے

پائے۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح ہم مسلمانون مین بچّون کا ختنہ کیا جاتا ہے۔ بے شبہہ حضرت عمرؓ

کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اُس زمانے مین ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا،

اصطباغ نہ دیسکنا یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان مین سے کوئی شخص مسلمان ہوجائے اور نابالغ اولاد چھوڑکر مرے

تو اسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا اُنکے

خاندان والون کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہین یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو اصطباغ دیکر عیسائی

بنالین۔ حضرت عمرؓ نے اس صورتِ خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطباغ

نہ دین اور عیسائی نہ بنائین۔ اور یہ حکم بالکل قرینِ انصاف ہے۔ کیونکہ جب اُس کا

باپ مسلمان ہوگیا تھا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔ علامہ طبری نے

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

جہان بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح مین یہ الفاظ نقل کیے ہین علی ان لا ینصروا ولیدًا ممن اسلم اباءھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جنکے باپ مسلمان ہو چکے انکی اولاد کو عیسائی بنا سکین[1]۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہین[2]۔ ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم اباؤھم۔

یہان شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رض نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیون سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی، بلکہ بنو تغلب مین بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس لیے انکی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری[3] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب مین سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام مین خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیون کو اگر یہ حکم دیا جاے کہ وہ مسلمانون کی مجلسون مین صلیب اور سور نہ لائین، خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائین۔ نومسلم عیسائیون کی اولاد کو اصطباغ نہ دین۔ تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مؤرخون نے ان احکام کی قیدون اور خصوصیتون کو اڑا دیا۔ بلکہ قدما مین بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے روایت مین ان خصوصیتون کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیان اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھین لیکن چونکہ ظاہر مین خفیف تھین ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہین کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیان اس قدر پھیل گئین کہ عربی زبان سر تا پا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے

[1] طبری ۲۴۸۲ [2] طبری ۲۵۱۰ - [3] طبری صفحہ ۲۵۰۹

بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ انھون نے بے تکلف انہی غلط روایتون کو قبول کرلیا۔ اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کرلیے۔

عیسائیون کے جلاوطن کرنیکا معاملہ

عیسائیون اور یہودیون کے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ مین مسلمانون کی طرف سے صاف نہین ہوئے، خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہدیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہوگا تم کو یہان سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین انکی شرارتین زیادہ ظاہر ہوئین۔ عبداللہ بن عمر کو ایک دفعہ بالاخانے سے ڈھکیل دیا جس سے اُنکے ہاتھون مین زخم آیا۔ مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع مین کھڑے ہوکر اُن کی شرارتین بیان کین۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط مین یہ واقعہ کسیقدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی۔ یمن اور اُس کی اطراف مین رہتے تھے اور اُن سے کچھ تعرض نہین کیا گیا تھا لیکن انھون نے چپکے چپکے جنگی طیاریان شروع کین، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے حضرت عمرؓ نے صرف اِس ضرورت سے انکو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائین[۱]۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتون سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولٹیکل ضرورتون کی وجہ سے جلاوطن کیے گئے، اور اِس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہین ہوسکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت مین بھی کس قسم کی رعایت اُن کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ انکی زمین اور باغون کی قیمت کا

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۶۵ کتاب الخراج ۲۹ [۲] کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔

تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوا دی[1]۔ اسی طرح حجاز کے یہودیون کو بھی انکی زمین کی قیمت دلوائی[1]۔

نجران کے عیسائیون کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق مین آباد کیا، تو اُن کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتین کین، انکو امن کا جو پروانہ دیا اس مین یہ شرطین لکھین۔

عراق یا شام جہان یہ لوگ جائین، وہان کے افسر انکی آبادی اور زراعت کے لیے انکو زمین دین جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائین وہ ان کی مدد کرے۔ ۲۴[2] مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے[3]۔

ایک ایسی قوم جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہون، اُس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کیجا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانون (اُردو۔ انگریزی۔ عربی) مین چھپکر شائع ہو چکا ہے، تاہم مختصر طور پر یہان بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی مین ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد مین یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجایش نہین رہی — جزیہ کی بحث

---

[1] فتوح صفحہ ۲۹۔ [2] ایضاً [3] کتاب مذکور صفحہ ۴۱۔

اولاً تو انھون نے نوشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحین قائم کین، اور اِس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہین بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور سے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اِس کتاب کے پہلے حصّے مین تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پُرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے، اسلامی فوجین شام کے مغربی حصّون سے ہٹ آئین، اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہرون سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق وغیرہ وہان کے باشندون کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہین اُٹھا سکتے۔ تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی، اور صاف کہدیا کہ اس وقت ہم تمھارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہین ہو سکتے، اِس لیے جزیہ لینے کا بھی ہمکو کوئی حق نہین ہے۔ اِس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود ۱۷ھ مین عراق کے افسرون کو لکھ بھیجا کہ

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ یعنی فوجی سوارون مین سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو

ویرفعوا عنھم الجزاء[1] اُس سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو"

یہان تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانون کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ھ مین جب آذربائجان فتح ہوا تو اہلِ شہر کو یہ فرمان لکھدیا گیا۔

[1] طبری صفحہ ۲۴۹۷۔ [2] طبری صفحہ ۲۲۶۔

ومن حشر منهم فی سنۃ وضع عنہ جزاء یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دینگے اُس سال کا

تلک السنۃ، جزیہ ان سے نہین لیا جائے گا۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس مین یہ الفاظ تھے۔

وعلی اھل آرمینیۃ ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امرناب اولم ینب راہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء[1]

اسی سنہ مین جرجان فتح ہوا اور فرمان مین یہ عبارت لکھی گئی۔

ان لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علی ان علیکم یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر

من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت لین گے

ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہوجائے گا

معونتہ عوضاً عن جزائہ[2] " " " " " " " " " "

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے، معاہدون سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے، اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا یعنی اُس رقم سے صرف اہل فوج کے لیے خوراک، لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھین، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہان جہان جزیہ مقرر کیا اُس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصرین فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی۔ لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہون، روغن زیتون۔ شہد۔ سرکہ لیا جاتا تھا

[1] طبری صفحہ ۲۶۶۵ [2] ایضاً۔

اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کُل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیے جانے لگے[1]

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا۔ اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی، غلامی نہیں، بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی عرب میں تو انھوں نے سرے سے اُس کا استیصال کر دیا اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبائلِ مرتدہ میں سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے، سب آزاد کر دیے۔ اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، انکا قول ہے

عرب کا غلام نہ ہو سکنا۔

کہ لا یسترق عربی۔ یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا[2]۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا، امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذھب الی قول عمر لیس علی عربی ملک[3] یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں، یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔ غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدۂ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔ [2] کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۲۔ جلد دوم [3] منتقی الاخبار لابن تیمیہ۔

اہلِ فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا انکی غلامی مین دیدیجائے، ملک کی تقسیم مین توجیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگون کی زبان بند کی، لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اِس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہین کر سکتے تھے، تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا جس قدر ممالک اُنکے زمانے مین فتح ہوئے اُسکی وسعت کئی ہزار میل تھی جس مین کرورون آدمی بستے تھے لیکن غلامی کا جہان جہان پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہان بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکۂ جنگ مین شریک تھے۔ عراق اور مصر مین جو بجائے خود مستقل مملکتین ہین باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہین بنایا گیا، یہانتک کہ جب مصر کے بعض دہات کے آدمی جو مسلمانون سے لڑے تھے غلام بناکر عرب مین بھیجدیے گئے، توحضرت عمرؓ نے سب کو جابجا سے جمع کرکے مصر کو واپس بھیجدیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مورخ مقریزی نے اُن دہات کے نام اور اِس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے[1]۔

شام کے شہرون مین سے بصریٰ۔ فحل۔ طبریہ۔ دمشق۔ حمص۔ حماۃ۔ عسقلان۔ انطاکیہ۔ وغیرہ جہان عیسائی بڑے زور شور سے لڑے۔ غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام مین صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہان اسیرانِ جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ مین خود معاہدۂ صلح مین یہ الفاظ لکھدیے گئے تھے۔ کہ لوگون کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان۔ جندی۔ سابور۔ شیراز وغیرہ مین اِس سے زیادہ صاف الفاظ تھے

---

[1] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۱۶۶۔

کہ لا یسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائینگے"۔

مناذر مین باوجود اس کے کہ فوج نے اسیرانِ جنگ کو غلام بنا کر اُن پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ اُن کو چھوڑ دو، اور خراج و جزیہ مقرر کرو[1]۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[2]۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اِس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے، وہ خریدی اور بیچی نہین جا سکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہین رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیون کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہین اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلامون کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبة کہتے ہین۔ یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ مین اتنی مدت مین اس قدر روپے ادا کر دونگا، جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن مجید مین موجود ہے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا، لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہین قرار دیتے۔ یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب مین ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام، سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی انسؓ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے انسؓ کو دُرّے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند مین پیش کی۔ آخر انسؓ کو مجبوراً ماننا پڑا۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷ [2] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۲۔

وکا قصہ

اس موقع پر حضرت شہربانوؓ کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُنکے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں، اور اُس سے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لیجائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا۔ اور ایک امام حسینؑ کو، ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الابرار میں اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اسکے حوالے سے نقل کردی لیکن یہ محض غلط ہے، اولاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل وعیال کے دارالسلطنت سے نکلا، اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا، اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچکر ۳۱ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اسکی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہونگے۔ مجھکو شبہہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر

۱۲ برس کی تھی، کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچوین سال پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۱۷ھ مین فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے انکی نابالغی مین اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گران قرار پائی ہو گی، اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہین ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی تاریخ مین اس قسم کا واقعہ جو مسلّم طور پر ثابت ہے، یہ ہے کہ وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکون مین جاری ہے۔ عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اوّل بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانون کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہِ مصر کی بیٹی جسکا نام ارمانوسہ تھا، یہین مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی۔ عمرو بن العاص نے اُسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیجدیا اور مزید احتیاط کے لیے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا۔ ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے[1]۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لیے کیے لیکن جو لوگ غلام بنا لیے گئے تھے اُن کے حق مین وہ مراعاتین قائم کین کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان مین تم نے پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہین مقرر کین تو انکے غلامون کی بھی اُنھی کے برابر تنخواہ مقرر کی؛ بعد کی تمام کارروائیون مین بھی اُنھون نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمّال تھے انکی نسبت وہ اور باتون کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلامون کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلامونکی

عام غلامونکے ساتھ مراعات

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴۔

عیادت کو نہین جاتا، تو صرف اِسی جرم پر اسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے[1] اکثر غلامون کو بلاکر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے، اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ "خدا اُن لوگون پر لعنت کرے جنکو غلامون کے ساتھ کھانے سے عار ہے"۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمھارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانون کی طرف سے سمجھی جائیگی۔ اور فوج کو اُسکا پابند ہونا ہوگا چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے ان عبد المسلمین من المسلمین و ذمتہ من ذمتھم یجیز امانہ[2]

غلامون کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے بیٹا باپ سے چھوٹ جاتا تھا، بیٹی مان سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی بُرائیون پر مضامین لکھتے ہین، اور اِسی واقعہ کو دردانگیز صورت مین دکھاتے ہین۔ حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونے نہ پائے، یعنی یہ نہین ہوسکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے، اور باپ کسی اور کی غلامی مین رہے۔ باپ بیٹے، بھائی بہن۔ مان بیٹیان بکتی تھین تو ساتھ بکتی تھین۔ اور جنکی غلامی مین رہتی تھین، ساتھ رہتی تھین۔ اس باب مین اُنکے جو احکام ہین اُنکو کنز العمال مین مستدرک حاکم، بیہقی مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہین

غلامون کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا۔

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا	یعنی جب دو بھائی بیچے جائین تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے
لا تفرق ابین الام وولدھا	یعنی بچہ مان سے الگ نہ کیا جائے۔
لا یفرق بین السبایا واولادھن،	یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہوکر آئین تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کیے جائین

حضرت عمرؓ نے اس باب مین تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر

[1] طبری صفحہ ۲۷۷۵ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶۔

استدلال کیا، وکا تقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اس سے بڑھکر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے[1]۔

حضرت عمرؓ نے جب سمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور انکے بیٹے شرجیل کو کوفہ مین کسی کام پر مامور کیا، تو انھون نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزون سے جدا نہین ہونے دیتے تو مجھکو کیون بیٹے سے دور پھینک دیا ہے[2]۔

غلامون مین اہل کمال

حضرت عمرؓ نے غلامون کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلامون کے گروہ مین بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوگئے جنکی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو ائمہ حدیث مین شمار کیے جاتے ہین۔ اور جنکو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فتوے کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے، اور جنکی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہین، یہ دونون بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔ علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال مین لکھا ہے کہ "مدینہ منورہ مین لوگ کنیزون اور کنیززادون کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکرؓ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام زین العابدینؑ سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل مین تمام مدینہ والون سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلامون کی قدر بڑھ گئی" لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا۔ بے شبہہ قاسم و سالم و امام زین العابدین کا نام اس سلسلے مین لینا بے ادبی خیال

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸۔

کرتا ہون) کے فضل وکمال نے اِس مسئلے پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے امہات اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو اِن بزرگون کو فضل وکمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

اِن سب باتون کے ساتھ اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہین ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ اُن کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلامون کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانیِ اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اِسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد مین غلامون کے متعلق آنحضرتؐ کے جو افعال اور اقوال لکھے ہین اُن سے اِس دعوی کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست وتدبیر، عدل وانصاف

خلافت فاروقی بسیط عالم مین کہان سے کہان تک پھیلی ہے۔ اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب، مختلف قومین اس کے دائرے مین داخل ہین لیکن اِس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن وامان اور سکوت واطمینان چھایا ہوا ہے، دنیا مین اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گذرے ہین جنکی حکومت مین کوئی شخص سر نہین اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جسکے اصول یہ تھے، کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعۃً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم مین تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت مین یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے۔ وحشیانہ سزائین دی جائین۔ آبادیان جلاکر برباد کر دی جائین۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے، اب بھی یورپ کو باوجود اِس قدر تمدن وتہذیب کے اِنہی قاعدون سے کام لینا پڑتا ہے۔

عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست مین فرق

لیکن خلافت فاروقی مین کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہین ہوسکتا تھا۔ عرب سوس والون نے بار بار عہدشکنی کی تو انکو جلاوطن کیا لیکن اسطرح کہ انکی جائداد و مال، اسباب کی مفصل فہرست طیار کراکر ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت اداکردی۔ نجران کے عیسائیون نے خودمختاری اور سرکشی کی طیاریان کین اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک مین آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ انکی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی اور عاملون کو لکھ بھیجا کہ راہ مین جدھر ان کا گذر ہو انکے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائین۔ اور جب یہ کہین مستقل قیام اختیار کرلین تو چوبیس مہینے تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے[۱]۔

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو رعایا ایسی ہات آئی تھی جسمین زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اس لیے انکو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہین آئی لیکن یہ خیال صحیح نہین حضرت عمرؓ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونون طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر قومین جو حلقۂ اطاعت مین آئی تھین، پارسی یا عیسائی تھین جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھین اور اسلیے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہوسکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب مین بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مولفۃ القلوب کا گروہ تھا جنکا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمرؓ کسی مین نہین۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکو خراج کے معاملے مین تنگ پکڑا، تو انھون نے نہایت حسرت سے کہا "خدا کی قدرت ہے! جاہلیت مین میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن

حضرت عمرؓ کی مشکلات

[۱] ان واقعات کو ہم ذمیون کے حقوق کے بیان مین اوپر لکھ آئے ہین اور وہان کتابون کا حوالہ بھی دیا ہے۔

کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھہ لادے پھرتے تھے۔ آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔" بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہین۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے مین تو علانیہ نقضِ خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین "زبیر و جمعے از بنو ہاشم درخانۂ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ در باب نقضِ خلافت مشورہا بکار می بردند"[1]

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے اِدّعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اِسکے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمان روا کی حکومت کے نیچے نہین آئے۔ حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہ کی طرح اِس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چندان قابلِ تعجب نہ تھا لیکن وہ عرب کے اِس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہین چاہتے تھے۔ بلکہ اور چمکاتے تھے۔ بارہا مجامع عام مین لوگ اُنپر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیان کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر مین جب اُنھون نے مجمع عام مین حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے وہین اُٹھکر کہا،[2]

واللہ ما عدلت یا عمر! لقد نزعت عاملا	یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہین کیا، تو نے رسول اللہؐ کے عامل
استعملہ رسول اللہ وغمدت سیفا سلہ رسول اللہ	کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول اللہؐ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام مین
ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم	ڈالدیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سنکر صرف یہ کہا کہ "تم کو اپنے بھائی کی حمایت مین غصہ آگیا۔"

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۹۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی۔

اِن حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالدؓ کو عین اُسوقت جب تمام عراق وشام مین لوگ ان کا کلمہ پڑہنے لگے تھے، معزول کردیا تو کسی نے دم نہ مارا، اور خود حضرت خالدؓ کسی قسم کا خیال دل مین نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہین لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے اُنکو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے سامنے انکو اسی مضروب کے ہات سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونون عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی مین طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

اِن واقعات سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن مین جو کمال حاصل تھا کسی مدبر اور فرمان روا کے حالات مین اسکی نظیر نہین ملسکتی۔

انکی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئینِ حکومت مین شاہ و گدا شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتین

اصولِ مساوات

جبلہ بن الایہم غسانی۔ شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا، اور مسلمان ہوگیا تھا، کعبہ کے طواف مین اسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤن کے نیچے آگیا، جبلہ نے اسکے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اُسنے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصے سے بیتاب ہوگیا، اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے اسکی شکایت سنکر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اسکی سزا پائی"۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ "ہم اس رتبہ کے لوگ ہین کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "جاہلیت مین ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کردیا"۔ اُسنے کہا کہ "اگر اسلام ایسا

مذہب ہی جسمین شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہین تو مین اسلام سے باز آتا ہون" غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ
چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اسکی خاطر سے قانونِ انصاف کو بدلنا نہین چاہا۔

ایکدفعہ تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانے مین طلب کیا، اور مجمع عام مین کھڑے ہوکر کہا کہ جس
کسی کو ان لوگون سے شکایت ہو پیش کرے، اس مجمع مین عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ
کے حکام اور عمال موجود تھے، ایک شخص نے اُٹھکر کہا کہ فلان عامل نے بیوجہ مجھکو سو دُرّے مارے ہین۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا "اُٹھ اور اپنا بدلا لے" عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! اس طریق عمل سے تمام
عمال بیدل ہو جائینگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا" یہ کہکر پھر مستغیث کیطرف متوجہ ہو
کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اسبات پر راضی کیا کہ وہ دو دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے[1]

ایکدفعہ سردارانِ قریش انکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جنمین
سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے
اول انھی لوگون کو بلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت مین تمام قریش کے سردار رہے تھے
انکو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیون سے خطاب کرکے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے؛ غلامونکو دربار مین جانے کی
اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہین" ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ انکے اقران کے
مذاق کے مناسب تھی تاہم ان مین کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو
عمر کی نہین بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن جو اپنی شامت
سے پیچھے پہنچے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہین"[2]

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو۔

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہین مقرر کین تو بڑے رشک و منافست کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر مین حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست مین انکے نام سب سے پہلے نظر آئین گے لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کے تمام خیالات غلط کردیے۔ اُنھون نے دولت وجاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتون کو مٹاکر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہین بیش و کم مقرر کین، جو لوگ اوّل اسلام لائے تھے، یا جہاد مین کارہائے نمایان کیے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے، اُن کو غیرون پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتون مین برابر درجے پر تھے ان کی تنخواہین برابر مقرر کین۔ یہانتک کہ غلام اور آقا مین کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب مین غلام سے بڑھکر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو اُنھون نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہین رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہان! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]"

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیون مین فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لیے تمام فوجی افسرون کو لکھ بھیجا کہ "جو لوگ ایسا کرین انکو سخت سزا دی جائے"۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلہ سے تھا۔ لڑائی مین یا آل ضبہ کا نعرہ مارا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لیے اُسکی تنخواہ بند کردی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخون مین

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶۔

ملتے ہین[1]۔

اصول مساوات

اسی اصولِ مساوات کی بناپر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہین کرتے تھے۔عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد مین منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہون اور تم اوپر بیٹھو" عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز، اور نمود اختیار نہ کرین۔

ایک دفعہ اُبی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔زید بن ثابت کے ہان مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ انکے پاس گئے تو اُنھون نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کردی حضرت عمرؓ نے کہا "یہ پہلی ناانصافی ہی جو تم نے اس مقدمہ مین کی"، یہ کہکر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔یہی بھید تھا کہ طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔سفر و حضر مین، جلوت و خلوت مین، مکان اور بازار مین کوئی شخص انکو کسی علامت سے پہچان نہین سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہین، قیصر و کسرے کے ایلچی مسجد نبوی مین آکر ڈھونڈھتے تھے کہ شاہنشاہِ اسلام کہان ہین۔حالانکہ شاہنشاہ وہین پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے مین بیٹھا ہوتا تھا۔اُن کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جسطرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اِس اصولِ انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جنکی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔دل مین مکدر ہوتے تھے۔لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لیے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔اور تھوڑے ہی دنون مین تمام عرب گرویدہ ہوگیا۔خواص مین بھی جو حق شناس تھے

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۔

وہ روز بروز معترف ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے۔ وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے مین اپنی خودرائی کے اظہار کی جرأت نہ کرسکے۔

اِس اصول کے عمل مین لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب، جو انہی بیہودہ مفاخر کی بنا پر آپس مین لڑتے رہتے تھے اور جسکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدانِ کارزار بنگیا تھا انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیرالمومنین کا لقب کیون اختیار کیا؟

اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لیے **امیرالمومنین** کا پرفخر لقب کیون ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہین سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفارِ عرب آنحضرت ؐ کو امیرِ مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق مین لوگون نے امیرالمومنین کہنا شروع کر دیا تھا[1]۔

حضرت عمرؓ کو اِس لقب کا خیال تک نہ تھا اسکی ابتدا یون ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ مین آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ مین رہ کر امیرالمومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیرالمومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کرو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی، اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انھون نے کیفیتِ واقعہ بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اِس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرتِ عام ہوگئی[2]۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیرالمومنین [2] امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ مطبع آرہ صفحہ ۱۸۴۔

ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انھون نے خلافت اختیار ہی کیون کی؟ بےغرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اِس خوانِ نعمت کو ہات ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے۔ حضرت عمرؓ بےشبہہ خلافت سے ہات اُٹھا لیتے۔ لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گران، اُن کے سوا کسی سے اُٹھ نہین سکتا! کیا ایسے وقت مین انکی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگون کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہو جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انھون نے پہلے ہی دن خطبہ مین کہدیا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعا بما ینوب من مهم امرکم ما تولیت ذالک منکم۔ یعنی اگر مجھکو یہ امید نہ ہوتی کہ مین تم لوگون کے لیے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مہماتِ امور کے لیے سب سے زیادہ قوی بازو ہون تو مین اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہین جو امام محمد نے موطا مین روایت کیے ہین۔

لو علمت ان احدا اقوی علی هذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اهون علی۔ یعنی اگر مین جانتا کہ کوئی شخص اِس کام (خلافت) کیلیے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنیکے بہ نسبت میرے نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن ماردیجائے۔

حضرت عمرؓ کے اِن الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اسکا ایک حرف بھی صحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمرؓ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جسمین وہ تمام اور صحابہ سے علانیہ ممتاز ہین۔ جو ممالک دائرۂ خلافت مین داخل تھے انکی اصلی تین تقسیمین تھین

[1] انساب الاشراف بلاذری [2] کتاب مذکور مطبوعہ مصطفائی صفحہ ٤٠٠۔

عرب، ایران، شام ومصر۔ اس لیے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیرین اختیار کین۔ عراق وایران مین چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیے انکی پولیٹکل تنخواہین مقرر کردین جس سے وہ بالکل رام ہوگئے۔ چنانچہ روساے عراق مین سے ابن النخیرجان۔ بسطام بن نرسی۔ رفیل۔ خالد جمیل کے مقتول روزینے مقرر کردیے۔ شام ومصر مین رومیون نے اصلی باشندون کو صاحب جائداد نہین چھوڑا تھا۔ اس لیے انکی طرف سے چندان اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجاے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے ساتھ وہ مراعاتین کین کہ انھون نے بارہا کہا کہ "ہمکو مسلمان، رومیون کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہین"۔ غیر قومون کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث ذمیون کے حقوق مین گذر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام ومصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر مین مقوقس مصر کا باشندہ۔ اور رومیون کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخریدہ غلام بنگیا۔ اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہوگئی۔ ان باتون پر بھی اکتفا نہین کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرادیے اور فوجی چھاونیان قائم کردین جن کی وجہ سے سیکڑون میل تک اثر پہنچتا تھا۔ اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہین ہوسکتی تھی۔ کوفہ وبصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بنگیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر مین تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیان اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھین۔

خاص عرب مین انکو مختلف پولیٹکل تدبیرون سے کام لینا پڑا۔ یہودیون اور عیسائیون کو
جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسرون کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو
بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہین ہوا جو مختلف صوبجات مین بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسرون
مین سے جسکی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ
صاحب اثر تھے انکو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہین جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگون
نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہین۔ پھر
فرمایا لاتخرجوا فتسللوا یمیناً و شمالاً[1]۔ ایک دفعہ عبد الرحمن بن عوف نے پوچھا کہ "آپ
ہم لوگون کو باہر جانے سے کیون روکتے ہین" فرمایا "اس سوال کا جواب نہ دینا دینے سے
بہتر ہے"[2]۔ اپنے قبیلہ کے لوگون کو کبھی ملکی عہدے نہین دیے۔ صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم
کیا تھا۔ پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہین دیے اور اس مین
زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب مین تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ،
عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لیے ان لوگون سے بڑھکر تمام
عرب مین کوئی شخص ہات نہین آسکتا تھا اس لیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ لیکن ہمیشہ
اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیرین کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائین۔
ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کو

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱ [2] ایضاً۔

کے زمانے مین جو ہنگامے برپا ہوا کیے سب انھی لوگون کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے، لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب مین تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہون نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کیے انکا واقعی نام - خدع - مکر - فریب - ظاہرداری، اور نفاق تھا۔ بادشاہون پر موقوف نہین، بڑے بڑے رفارمر اس شائبہ سے خالی نہین ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہین ہوتا تھا، وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگون کو صاف صاف اسکی مصلحت سے واقف کردیتے تھے، حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو تمام اضلاع مین فرمان بھیجدیا کہ[1]

انی لم اعزل خالداً عن سخطۃ ولا خیانۃ ٭ یعنی مینے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم مین نہین موقوف کیا بلکہ اسوجہ سے کہ لوگ انکی
ولکن الناس فتنوا بہ فخفت ان یوکلوا الیہ ٭ طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اسلیے مین ڈرا کہ ابر بھروسہ نہ کرلین۔

مثنیٰ[2] کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے۔ اور فرمایا لم اعزلھما عن ریبۃ ولکن الناس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیھما، بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتین نہین دین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صاف اسکی وجہ بیان کردی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمرؓ کی حسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اُنھون نے حکومت وانتظام کی کل مین نہایت موزون پرزے استعمال کیے تھے،

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸ - [2] طبری صفحہ ۲۳۹۳ -

یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت، ان مین سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے اُنھون نے تمام عرب کے قابل آدمیون اوران کی مختلف قابلیتون سے واقفیت پیدا کی تھی، اور انھی قابلیتون کے لحاظ سے انکو مناسب عہدے دیے تھے۔ سیاست وانتظام کے فن مین تمام عرب مین چار شخص اپنا نظیر نہین رکھتے تھے، امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ۔ زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان کو بڑی بڑی ملکی خدمتین سپرد کین، اور درحقیقت، ان لوگون کے سوا، شام ومصر وکوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہین رکھ سکتا تھا۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

جنگی مہمات کے لیے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدیکرب، اور طلیحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہین سکتے تھے۔ اس لیے ان دونون کی نسبت حکم دیدیا کہ انکو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دیجائے۔ زید بن ثابت، وعبد اللہ بن ارقم انشا وتحریر مین مستثنےٰ تھے۔ انکو میرمنشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبد اللہ بن مسعود، فصل قضایا مین ممتاز تھے، انکو قضا کی خدمت دی۔ غرضکہ جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُسی کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قومون کے مؤرخون نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مؤرخ لکھتا ہے کہ "عمرؓ نے فوج کے سردارون اور گورنرون کا انتخاب بلا رورعایت کیا۔ اور مغیرہ وعمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا۔"

بے لاگ عدل وانصاف۔

سب سے بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنادیا اور جسکی وجہ سے اہل عرب انکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس مین دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرایم کی پاداش مین کسی کی

عظمت و شان کا مطلق پاس نہین کرتے لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگون کو صبر آجاتا تھا۔ انکے بیٹے ابو شحمہ نے[1] جب شراب پی تو خود اپنے ہات سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے جب اسی جرم مین ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو ۸۰ درّے لگوائے۔

قدیم سلطنتون کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتون اور حکمرانون کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور ان مین جو چیزین پسند کے قابل ہوتی تھین اسکو اختیار کرتے تھے، خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات حساب، ان تمام انتظامات مین انھون نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہان کوئی نقص پایا اسکی اصلاح کردی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیجدو، چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے انکے پاس آئے اور انھون نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہان مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص مین وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت مین قائم کیے تھے۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جہان نوشیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہان لکھا ہے۔

وھی الوضایع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب یعنی یہ وہی قاعدے ہین کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا

[1] ابو شحمہ کے قصے مین واعظون نے بڑی رنگ آمیزیان کی ہین لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انھون نے انتقال کیا (دیکھو معارف ابن قتیبہ۔ ذکر اولاد عمرؓ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ -

حین افتتح بلاد الفرس[1]۔ تو ان کی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامۂ ابن مسکویہ نے اِس مضمون کو لکھا ہے، علامۂ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا، تاریخ مین ایک کتاب لکھی ہو جسکا نام تجارب الامم ہے[2]، اس مین جہان حضرت عمرؓ کے انتظاماتِ ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم من الفرس یقرؤن علیہ سیاسات الملوک ولا سیما ملوک العجم الفضلاء وسیما انوشروان فانہ کان معجبا بھا کثیر الاقتداء بھا، یعنی عمرؓ فارس کے چند آدمیون کو صحبت خاص مین رکھتے تھے یہ لوگ انکو بادشاہون کے آئینِ حکومت پڑھکر سنایا کرتے تھے خصوصًا شاہانِ عجم اور ان مین بھی خاصکر نوشیروان کے اسلیے کہ انکو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ انکی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامۂ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عمومًا مؤرخون نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اسکو اپنے خاص درباریون مین داخل کیا اور انتظاماتِ ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار۔

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نرہنے پائے۔ انھون نے انتظاماتِ ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جسکی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہین۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجایزۃ من اجیز فیھا[3]، یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہین رہتی تھی، عراق مین جن لوگون نے خروج کیا اور شام مین جن لوگونکو انعام دیے گئے جسکی تحریری اطلاعین انکو پہنچین۔

[1] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۲۷۶۲ [2] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتبخانہ مسجد ایاصوفیا مین موجود ہو اور مین نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہو [3] طبری صفحہ ۲۵۲۶

عراق کے ایک معرکہ مین سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو دوہرا حصّہ نہین دیا۔ عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی، انھون نے کہا تمھارا گھوڑا دوغلا ہے، اس لیے اس کا حصّہ کم ہوگیا، معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہان، دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے" حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی۔ عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے انکو آیندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہین ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت و نعمت کے مزے مین پڑکر انھون نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس مین یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوء ہ — غالباً امیرالمومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانین گے

تنادمنا بالجوسق المتھدم — کہ ہم لوگ محلون مین رندانہ صحبتین رکھتے ہین۔

حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کرکے لکھا کہ ہان مجھکو تمھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی[1] صحابہ مین حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر مخفی باتون کا پتہ لگتا تھا۔ عہد نبوت مین وہ آنحضرتؐ کے محرم راز تھے۔ اور اسی وجہ سے صاحب السّر کہلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ "منافقین کا جو گروہ ہے ان مین سے کوئی شخص میرے عمّالون اور عہدہ دارون مین بھی ہے" اُنھون نے کہا "ہان ایک شخص ہے!" حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن اُنھون نے رازداری کے لحاظ سے نام نہین بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ "اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کردیا جس سے مین نے قیاس کیا کہ انھون نے خود پتہ لگالیا"[2]۔ اِسی تجسس اور بیدارمغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمّال اُنکے مشورہ

---

[1] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی [2] اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

کے بغیر کوئی کام نہین کرسکتے تھے، علامہ طبری لکھتے ہین۔

وکانوا لا یقطعون شیئاً ولا یاتمون الا عن امرہ فیہ[1] یعنی لوگ کوئی کام اُنسے بغیر دریافت کیے نہین کرتے تھے

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے، اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطہ سے باہر نہین سمجھتے تھے۔ خانۂ کعبہ مین مدت کا چڑھاوا جمع تھا اسکی نسبت فرمایا کہ

لقد ھممت ان لا ادع فیھا صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ[2] یعنی مین نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس مین سونا چاندی ہے سب لوگون کو تقسیم کردون۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجۂ مطہرہ) کو خبر ہوئی، وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئین اور کہا کہ "امیر المؤمنین! اس مین سے میرا حق مجکو عنایت کیجیے کیونکہ مین ذوی القربیٰ مین سے ہون"۔

حضرت عمرؓ نے کہا: جانِ پدر! تیرا حق میرے خاص مال مین ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے۔ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا" وہ بیچاری خفیف ہوکر اُٹھ گئین[3]۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہوگئے تھے۔ اور خط وکتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیان بھیجین، اُس نے اس کے جواب مین شیشیون کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمھارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا۔ اور اس کے مصارف عام آمدنی مین سے ادا کیے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال مین داخل

[1] طبری صفحہ ۲۷۴۸۔ [2] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ۔ [3] مسند امام احمد حنبل۔

کردیے اور انکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگون نے علاج مین شہد تجویز کیا۔ بیت المال مین شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہین لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی مین جا کر لوگون سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لون"۔ اس کارروائی سے طلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانۂ عامہ پر خلیفۂ وقت کو اتنا اختیار بھی نہین۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہمات مین یہ شغل قائم نہین رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے مین کسقدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہون؟ لوگون نے مختلف رائین دین، حضرت علیؓ چپ تھے حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا۔ انھون نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس"، چنانچہ انکے اور انکی بی بی بچون کے لیے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہوگیا۔[2] فوجی روزینہ دارون مین جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر مین شریک تھے) کے لیے تنخواہین مقرر ہوئین تو اور لوگون کے ساتھ پانچہزار درہم سالانہ انکے بھی مقرر ہوگئے۔ کرورون روپے کی آمدنی مین سے فاروق اعظم کو سال بھر مین جو ملتا تھا اسکی یہ تعداد تھی۔

انکی معاشرت کے حالات مین آگے چل کر تم پڑھوگے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے۔ زمین پر سو رہتے تھے، مہینون گیہون کا آٹا گھر مین نہین پکتا تھا۔ اسکی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا، بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی مین نصیب نہین ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو اُن کے شرف اور

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۴۔ [2] تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ۔

خاندانِ نبوت کے تعلّق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اُسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہین دیے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس مین اپنا حصّہ ایک شرعی حق سمجھتے ہین۔ اس لیے باوجود دولتمندی کے خمس مین سے اپنا حصّہ لین گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی راے پر منحصر ہین۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئے گی، انھون نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ حمص کا عامل جب مرگیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ اُنکی طرف سے مطمئن نہ تھے، اس لیے بلاکر اُن سے کہا کہ فِی نَفْسِی مِنْکَ شیٔ یعنی میرے دل مین تمھاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انھون نے پوچھا کیون؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی ھو ات[1] یعنی مجھکو ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔

یہ صرف سوءِظن نہ تھا۔ بلکہ وقوع مین بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین جب حضرت عبد اللہؓ کو عامل مقرر کیا تو انھون نے بیت المال مین سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علیؓ نے بازپرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی مین نے اپنا پورا حق نہین لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ مین جو کفایت شعاری اور تنگ وروزی برتی وہ خلافتِ فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت مین لوگون نے اخیر مین جو شورشین کین، اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمین عطا کین۔

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۶۴ و ۶۵۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دارالخلافہ سے سیکڑون ہزارون میل تک فوجین پھیلی ہوئی تھین جنکی ایک ایک حرکت انکے اشارون پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخون کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا، اپنے ذاتی اشغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام مین کبھی ہرج نہین ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ جسمین تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اُسی زمانے مین سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہین رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجون کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدوکاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی، جزیرہ والون نے قیصر کے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجین بھیجین کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے،

تمام کامون کا وقت پر انجام پانا

زیاد بن حدیر، عراق مین۔ دہ یکی کی تحصیل پر مامور تھے، اُنھون نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دیکر محصول طلب کیا، اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجکو حوالہ کیجیے، دوبارہ وہ عیسائی انکی سرحد سے گذرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے صرف اسقدر کہا کہ تم مطمئن رہو، عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل مین ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار ادا کرکے گھوڑے کو واپس لے، یہان حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ "سال بھر مین دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہین لیا جا سکتا" ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اُسوقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم مین خطبہ پڑھ رہے تھے

اسی حالت مین اُسنے شکایت پیش کی، فرمایا نہین دوبار محصول نہین لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ مین مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جاکر کہا کہ "مین وہی نصرانی ہون جسنے محصول کے متعلق شکایت کی تھی" حضرت عمرؓ نے فرمایا ہان مین وہی حنیفی (مسلمان) ہون جس نے تمھارا کام انجام کردیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[۱]۔

رفاہ عام

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ مین کوئی شخص فقر و فاقہ مین مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک مین جسقدر اپاہج، ازکار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہون سب کی تنخواہین بیت المال سے مقرر کردی جائین، لاکھون سے متجاوز آدمی فوجی دفتر مین داخل تھے جنکو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی، اوّل یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب[۲] آٹا پکایا جائے پک کر طیّار ہوا تو ۳۰ آدمیون کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اُسی قدر آٹا پکوایا اور اُسی قدر آدمیون کو کھلایا، دونون وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اس قدر آٹا مقرر کردیا جائے، اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہات مین لیکر کہا کہ مین نے تم لوگون کے لیے اس قدر خوراک مقرر کردی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت مین ہے کہ پیمانہ ہات مین لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لکل نفس مسلمة فی شھر مدی حنطة و قسطی خل

یعنی مین نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مُد گیہون اور دو قسط سرکہ مقرر کیا

[۱] یہ دونون روایتین کتاب الخراج صفحہ ۷۸ و ۷۹ مین ہین [۲] قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی، فرمایا ہان غلام کے لیے بھی[1]۔ غربا اور

غربا اور مساکین کے روزینے

مساکین کے لیے بلاتخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُن کے روزینے مقرر کر دیے جائین؛ چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیون کے حقوق مین لکھ آئے ہین) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ، فقراے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہین۔

مہمان خانے

اکثر شہرون مین مہمان خانے تعمیر کرائے جہان مسافرون کو بیت المال کیطرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر مین لکھ آئے ہین؛ مدینہ منورہ مین جو لنگر خانہ تھا اکثر وہان خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

لاوارث بچے

اور لاولقطہ یعنی گمنام بچے جنکو انکی مائین شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھین اُن کے لیے سنہ ۱۸ ھ مین یہ انتظام کیا کہ جہان اس قسم کا کوئی بچہ ملے اسکے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے؛ چنانچہ ان مصارف کے لیے اوّل ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی[2]۔

یتیمون کی خبرگیری

یتیمون کی پرورش؛ اور اگر انکی جائداد ہوتی تھی تو اسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے، اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیمون کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے، تم اس کو تجارت مین لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو؛ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

---

[1] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۴۸ مین ہے اور تمام تاریخون مین بھی ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔ [2] بلاذری صفحہ ۴۵۲ و یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱۔

قحط کا انتظام

سنہ ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا تو عجیب وغریب سرگرمی ظاہر کی۔ اوّل بیت المال کا تمام نقد و غلّہ صرف کیا پھر تمام صوبون کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلّہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جنمین سے ایک ایک مین تین تین ہزار اردب غلّہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان جہازون کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ تک گئے جسکا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہی، بندرگاہ مین دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدون کا مفصل نقشہ بنائین، چنانچہ بقید نام او مقدار غلہ رجسٹر طیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جسکے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا، چک پر حضرت عمرؓ کی مہر ثبت ہوتی تھی۱؎۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے۔ اور قحط زدون کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہی۔ کہ حضرت عمرؓ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا۔ لیکن انکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جسکا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہی، ایشیا مین سلاطین و امرا کی فیاضیون کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہین کرتے کہ اس سے جہان ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے، دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لوگون کا رہنا ثابت ہوتا ہے، یہی ایشیائی فیاضیان تھین جس نے آج ہماری قوم مین لاکھون آدمی

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی۔

۱؎ یہ تفصیل یعقوبی صفحہ ۱۷۰ مین ہے اخیر کے فقرے یہ ہین۔ ثم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلھم و امرہ ان یکتب لھم صکاکا من قراطیس ثم یختم اسافلھا فکان اوّل من صک وختم اسفل الصکاک اور دب کم و بیش دو من کا ہوتا ہے۔

ایسے پیدا کر دیئے ہیں، جو خود ہات پاؤن ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بیخبر نہ تھے، وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگون مین کاہلی اور مفت خوری کا مادّہ نہ پیدا ہونے پائے جن لوگون کی تنخواہین اور خوراک مقرر کی تھین، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی، یا جنھون نے پہلے کوئی نمایان خدمت کی تھی، یا وہ جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہین کر سکتے تھے۔ اِن اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا نہین رکھتے تھے، محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین مین لکھا ہو کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اُسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹون کے آگے ڈالدی اور فرمایا کہ "اب جو مانگنا ہو مانگ"، علامہ ماوردی نے احکام السلطانیۃ مین لکھا ہے کہ "محتسب کا فرض ہو کہ ایسے لوگون کو جو کھانے کے قابل ہون اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہون تنبیہ و تادیب کرے"۔ اسکے بعد علامہ موصوف نے اسکی سند مین حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وقد فعل عمر مثل ذالک بقوم من اھل الصدقۃ[1]۔

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر مین خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ "نہین"، تو فرماتے کہ "یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا"۔ انکا مقولہ تھا کہ مکسبۃ فیھا دناءۃ خیر من مسألۃ الناس، "یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگون سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے"۔ مفت خوری کا موقع زیادہ تر علما و صوفیہ کو ملتا ہے۔ ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہین ہوئے تھے لیکن علماء کو انھون نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لا تکونوا عیالا علی المسلمین۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳۵۔

یعنی مسلمانون پر اپنا بار نہ ڈالو۔"[1]

جزئیات پر توجہ

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی مین ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو ہمیشہ بڑے اہم امور کا سابقہ رہتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اور اس کے لیے انکو وقت اور فرصت کی تنگی نہین ہوتی تھی۔ ان مین ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا لیکن انکو کسی کام سے عار نہ تھا۔ روزینہ دارون کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان، مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہین جہان قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے، ان دونون مقامون مین خود تشریف لے جاتے تھے، روزینہ دارون کا دفتر ہات مین ہوتا تھا، انکو دیکھکر چھوٹے بڑے سب گھرون سے نکل آتے تھے، اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہات سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔[2] اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ مین جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر اُنکے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے (اتنا کچھ اہتمام تھا۔ سیرۃ)

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "انکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھرون پر جاتے اور عورتون سے کہتے کہ تمکو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو مین لا دون، وہ لونڈیان ساتھ کر دیتین حضرت عمرؓ خود چیزین خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقامِ جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود اُن کے گھرون پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلان تاریخ تک قاصد واپس جائے گا، تم جواب لکھوا رکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، دوات خود مہیا کر دیتے اور جسکے گھر مین کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔"

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۲۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل۔

انکی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت اُن تک پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد مین بیٹھ جاتے، اور جس کو جو کچھ اُن سے کہنا سننا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اُٹھ جاتے۔ راتون کو دورہ کیا کرتے سفر مین راہ چلتون سے حالات پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پرسش وجو کرتے۔

سفارت

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتین آتین، اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتین پیش کرتین، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے مین اس سے وہ کام لیا جو آجکل جمہوری سلطنتون مین رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین مختلف اضلاع سے جو سفارتین آئین اور جس طرح انھون نے اپنی مقامی ضرورتین پیش کین، اس کا حال عقد الفرید وغیرہ مین بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری

ان تمام باتون پر ان کو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ "عمال، رعایا کی پروا نہین کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہین سکتا"۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کرین۔ اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہرین، لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع مین ٹھہر کر لوگون کی شکایتین سنین اور دادرسی کی، اس سفر مین ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا، دارالخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ مین ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت نظر آئی، اس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہان، شام

---

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

سے روانہ ہو چکا، لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہان سے ایک حبہ بھی نہین ملا" حضرت عمرؓ نے کہا انتی دور کا حال، عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے" بولی کہ اسکو رعایا کا حال معلوم نہین تو خلافت کیون کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے،

ہم اس موقع پر متعدد حکایتین اور روایتین نقل کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام وآسائش اور خبر گیری مین ان کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی،

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ مین آیا اور شہر کے باہر اترا، اسکی خبر گیری اور حفاظت کیلیے خود تشریف لیگئے، پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ، ماں کی گود مین رو رہا ہے، ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے، تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو بچے کو روتا پایا، غیظ مین آکر فرمایا، کہ "تو بڑی بیرحم ماں ہے" اس نے کہا کہ "تم کو اصل حقیقت معلوم نہین خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑین بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، مین اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہون اور یہ اس وجہ سے روتا ہے، حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور کہا کہ "ہائے عمر! تو نے کتنے بچّون کا خون کیا ہوگا" اسی دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہون اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائین

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہان پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ

پکارہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہین، پاس جاکر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا کہ کئی وقتون سے بچون کو کھانا نہین ملا ہے، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی مین پانی ڈال کر چڑھادی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت اُٹھے، مدینہ مین آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجورین لین اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھدو، اسلم نے کہا مین لیے چلتا ہون، فرمایا ہان لیکن قیامت مین میرا بار تم نہین اٹھاؤگے، غرض سب چیزین خود لادکر لائے اور عورت کے آگے رکھدین، اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے جاتے تھے، کھانا طیار ہوا تو بچون نے خوب سیر ہوکر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا "خدا تم کو جزائے خیر دے، سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمرؓ"،

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک بدّو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس جاکر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتین شروع کین، دفعتہً خیمہ سے رونے کی آواز آئی، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے؟ اس نے کہا میری بی بی درد زہ مین مبتلا ہے، حضرت عمرؓ گھر پر آئے، اور ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ تھین) کو ساتھ لیا، بدو سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ مین بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، امیر المومنین کا لفظ سنکر بدّو چونک پڑا، اور مؤدب ہو بیٹھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "نہین کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا مین اس بچہ کی تنخواہ مقرر کردونگا"،

عبد الرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے،

مین نے کہا آپ نے کیون تکلیف کی، مجھکو بلا یا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھکو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے، لوگ تھکے ماندے ہونگے، آؤ ہم تم چلکر پہرہ دین، چنانچہ دونون صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے،

جس سال عرب مین قحط پڑا انکی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت گھی مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی، نہایت خضوع سے دعائین مانگتے تھے، کہ "اے خدا! محمد کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا" اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ "قحط کے زمانے مین حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا، اس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم مین تباہ ہو جائینگے،" قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہین،

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے،

یا عمر الخیر جزیت الجنۃ	اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے میری لڑکیو
اکس بنیاتی و امھنہ	کو، اور انکی ماں کو کپڑے پہنا خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا
اقسم باللہ لتفعلنہ	ہوگا،

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور مین تمھارا کہنا نہ کرون تو کیا ہوگا، بدو نے کہا،

تکون عن حالی لتسئلنہ	تجھ سے قیامت مین میری نسبت سوال ہوگا
والواقف المسئول بینہ	اور تو ہکا بکا رہ جائےگا پھر یا دوزخ کی طرف

لہ یہ تمام روایتین کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ مین مستند حوالون سے منقول ہین۔

اَمّا اِلی النّارِ وَ اِمّا جَنّۃ — یا بہشت کی طرف جانا ہوگا،

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہوگئی، پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دیدے اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہین[1]،

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالاخانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی -

تطاول ھذا اللیلُ وازور جانبہ — رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے

ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ — پہلو مین یار نہین جس سے خوش فعلی کرون،

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اس کے فراق مین یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی، حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ مین نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا، حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھون نے کہا چار مہینے، صبح ہوتے ہی جگہ جگہ حکم بھیجدیا، کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے،

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے، جن کی آنکھین جاتی رہی تھین، حضرت عمرؓ نے اون سے کہا کہ آپ جمعہ مین کیون نہین آتے او نھون نے کہا، میرے پاس آدمی نہین کہ مجھ کو راستہ بتا سکے؛ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کردیا جو ہمیشہ اون کے ساتھ ساتھ رہتا تھا[2]،

ایک دفعہ لوگون کو کھانا کھلا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائین ہاتھ سے کھاتا ہی پاس جاکر کہا کہ "داہنے ہاتھ سے کھاؤ" اس نے کہا جنگ موتہ مین میرا دایان ہات جاتا رہا،

[1] سیرۃ العمرین وازالۃ الخفا۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع۔

حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی، اس کے برابر بیٹھ گئے اور رُو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لیے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں،

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، درحقیقت، نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و از میان امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشان قریب بجوہر انبیا مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت، خلفائے انبیا اند در امت"[1]

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد، اسکی صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق، یہی چیزیں تمام مذاہب کے اصلی اصول اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدلجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں، اسلام انھی غلطیوں کے مٹانے کے لیے آیا اور اس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں، اسلیے ہر زمانے میں اکثر لوگ، اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لیے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ

[1] ازالۃ الخفا جلد اول صفحہ ۹۔

نہ پڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبرون اور مزارون کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا جو طرز عمل ہے اس مین اب بھی کسقدر شرک کا مخفی اثر موجود ہی گو استفادہ عن القبور، اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے،

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل مین جسطرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرات و دلیری سے اسکو لوگون کے سامنے ظاہر کیا، اسکی نظیر صحابہ کے زمانے مین بھی بہت کم ملتی ہے،

مسئلۂ قضا و قدر

الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جسمین عموماً بڑے بڑے ائمۂ مذہب کو غلطیان واقع ہوئین یہانتک کہ اکابر صحابہ مین سے بھی بعضون کو اشتباہ ہوا، طاعون عمواس مین حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ مین پہنچکر معلوم ہوا کہ وہان وبا کی نہایت شدت ہے، حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے، قضای الٰہی سے ہوتا ہے، نہایت طیش مین آکر کہا افرارًا من قدر اللہ یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ مین حل فرمایا[1]

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ یعنی ہان، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کیطرف بھاگتے ہین

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہی لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہی، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب مین اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی، حضرت عمرؓ نے مختلف موقعون پر لوگون کو اس غلطی مین پڑنے سے باز رکھا، ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا،

---

[1] یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون مین مذکور ہے،

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر و لا تنفع — مین جانتا ہون کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہی نہ نقصان

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جسقدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ بہت سے محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہی وہان یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے انکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونون پہنچا سکتا ہی کیونکہ وہ قیامت مین لوگون کی نسبت شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہی چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے،

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگون سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا اور لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھکر اس کو جڑ سے کٹوا دیا،[1]

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے، راستہ مین ایک مسجد تھی جسمین ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی، اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے، حضرت عمرؓ نے لوگون کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اہل کتاب انھی باتون کے بدولت تباہ ہوئے کہ انھون نے اپنے پیغمبرون کی یادگارون کو عبادتگاہ بنا لیا،[2]

نبی کے اقوال و افعال کہانتک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہین

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہین اور اسلام کے زمانے مین بھی یہ سلسلہ بند نہین ہوا، اکثرون کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضون نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتون کو مستثنیٰ کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہی، باقی امور، وقت اور ضرورت

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۱۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ مین بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر مین لکھا ہی کہ ابن سعد نے طبقات مین اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہی، [2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۱،

کے لحاظ سے ہوتے ہین تشریعی اور مذہبی نہین ہوتے ۔ اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کردیا کسی نے نہین کیا، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الام مین نہایت زور کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے، اور ان مسائل مین جہان حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے، لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظرانداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہین رکھتے اس لئے ان مسائل مین خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے،

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا یہ تھا، کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہین،

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہین، ایک یہ کہ ان مین عقل کو دخل نہین، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام، اصول عقلی پر مبنی ہین، یہی دوسرا خیال، علم اسرار الدین کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغۃ خاص اسی فن مین ہے، تاہم ہر زمانے مین بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے، جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن، عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات، بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے،

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہین کہ

حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے، کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے[1]

شاہ صاحب نے جن لوگون کا نام لیا، اُن مین عبداللہ بن عباسؓ کی عمر آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی، حضرت علیؓ کا سن جناب رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا، زید بن ثابتؓ کا سن آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا، حضرت عائشہؓ، آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہون گے، لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہو گا،

حضرت عمرؓ مسائل شریعت، کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال مین کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے، مسافرین جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام مین راستے محفوظ نہ تھے اور کافرون کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید مین خود اس کا اشارہ ہے لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا، حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر مین، قصر کیون کیا جاتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "یہ خدا کا انعام ہے[2]"،

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۶، [2] صحیح مسلم احادیث نماز سفر

حج کے ارکان مین رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت، پہلے تین دوروں مین آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہین، اس کی ابتدا یون ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ مین تشریف لائے تو کافرون نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہوگئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہین کرسکتے، آنحضرتؐ نے یہ سنکر رمل کا حکم دیا[1]، اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہوگیا، چنانچہ ائمۂ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہین، لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مَالَنَا وَللرَّمَلِ انما کنا رأینا به المشرکین وقد اهلکهم الله[2] یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکون کو رعب دلانا مقصود تھا، سو اُن کو خدا نے ہلاک کردیا" حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ البالغہ مین لکھا ہے، رمل کے ترک کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن پھر آنحضرت صلعم کی یادگار سمجھکر رہنے دیا، عبداللہ بن عباسؓ جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہین، تو کہا کہ "غلط سمجھتے ہین[3]"۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہین کہ ایک مستقل رسالہ طیار ہوسکتا ہے، ان تمام مسائل مین یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے، کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہین، اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے،

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا،

(حاشیہ: اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا)

[1] صحیح مسلم۔ [2] صحیح بخاری باب الرمل۔ [3] ازالة الخفا صفحہ ۱۹۵ حصۂ دوم۔

جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخلاق، حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں حضرت عمرؓ، خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، اُن کا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگون کے دلون مین اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو انکی صحبت مین رہتا تھا، کم و بیش اس قالب مین ڈھل جاتا تھا، مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ "ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائین" مؤرخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کیے ہین کہ "ان مین جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسرون اور عہدہ دارون مین پھیل گئے تھے" پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ، ابو عبیدہؓ، سعید بن عامرؓ وغیرہ کے نام اور انکے اوصاف لکھے ہین،

فخر و غرور کا استیصال

عرب مین جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور، عام لوگون کی تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا، جو چیزین فخر و غرور کی علامت تھین بالکل مٹا دین، لڑائیون مین قبائل، اپنے قبیلون کی جے پکارا کرتے تھے اسکو حکماً بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اُٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن اُمیّہ نے جب بہت سے معزز لوگون کے ساتھ اون کی دعوت کی اور نوکرون کو کھانے پر نہین بٹھایا تو نہایت ازروئے غصہ ہو کر کہا کہ "خدا ان سے سمجھے جو نوکرون کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین"،

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ

مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لیے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آنکلے، یہ حالت دیکھکر اُبی کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے، یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا او ما تری فتنۃ للمتبوع ومذلۃ للتابع[1] یعنی "تم نہین جانتے یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے"۔

ہجو کی ممانعت

ہجو وبدگوئی کا ذریعہ شعروشاعری تھا۔ شعرا جا بجا لوگون کی ہجوین لکھتے تھے اور چونکہ عرب مین شعر کو رواج عام حاصل تھا، اس لیے یہ ہجوین نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھین اور اُن سے سیکڑون مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات مین شمار کیا جاتا ہے۔ حطیئہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن ہجو مین کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو طلب کرکے ایک تہ خانے مین قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہین لکھے گا[2]۔ آنحضرتؐ کے زمانے مین قریش نے جب اور تدبیرون سے عاجز ہوکر مسلمانون کی اور خود آنحضرتؐ کی شان مین ہجوین کہنی شروع کین تو آنحضرتؐ نے حسانؓ کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین حکم دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائین کیونکہ اُن سے پُرانی رنجشین تازہ ہوتی ہین[3]۔

ہوا پرستی کی روک

عشق وہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعروشاعری تھا۔ شعرا زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان مین اپنے معشوقون کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام

---

[1] مسند دارمی ۱۲ [2] اسد الغابہ ترجمہ زبرقان [3] آغانی تذکرہ حسان بن ثابت ۱۲

شاعری کی اصلاح

ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی و آوارگی اُن کے خمیر مین داخل ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعرا عورتون کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائین چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھا ہے تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا ینسب احد بامرأۃ الا جلدہ،

شراب خوری کی روک

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دُرّے مارے جاتے تھے اُنھون نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیے،

ان سب باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے مین دولت کی کثرت، اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مُہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت مین مبتلا نہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی،

آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اسپر بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے، جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفا کی تاریخ مین نہین ملتی۔ بنوامیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہان تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہین کیا لیکن اسکے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جسکی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور بالآخر جمل و صفین کے معرکے پیش آئے۔ برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ

حکومت کے جبروت مین ذرا کمی نہ آنے دی؛

مختلف موقعون پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص مان کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنی سے ادنی آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکر نہین رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو وہ خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام مین سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور اُن کے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے۔

مُذکم تعبّدتم النّاس وقد ولدتھم یعنی تم لوگون نے آدمیون کو غلام کب سے بنا لیا؟ ان کی ماؤن نے امّھاتھم احراراً، تو اُن کو آزاد جنا تھا۔"[1]

عرب مین جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سیّد یعنی آقا کہلاتے تھے اور اُن سے کم رتبہ لوگ اُن کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے "جعلنی اللہ فداءک" "بأبی وامی" یعنی خدا مجھکو آپ پر قربان کردے" "میرے مان باپ آپ پر فدا ہون"

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعون پر اُن کی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان مین کہا تھا کہ جعلنی اللّٰہ فداءک تو فرمایا کہ اذاً یھینک اللّٰہ یعنی "اگر خدا ایسا کریگا تو تجھکو ذلیل کریگا"۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگون کو جسقدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کردیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ اُنھون نے منبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر مین دنیا کی طرف جھک جاؤن تو

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۵۔

تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہین کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچکر بولا کہ "تمھارا سر اُڑا دینگے"
حضرت عمرؓ نے اُس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ "کیا تو میری شان مین یہ لفظ کہتا ہے؟" اُسنے
کہا "ہان ہان تمھاری شان مین"، حضرت عمرؓ نے کہا "الحمدللہ قوم مین ایسے لوگ موجود ہین
کہ مین کج ہون گا تو مجھکو سیدھا کر دینگے"۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگون نے عیسائی عورتون سے شادیان کر لی تھین حضرت
عمرؓ نے حذیفہ بن الیمانؓ کو لکھا کہ مین اس کو ناپسند کرتا ہون، اُنھون نے جواب مین لکھا کہ
یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے
حذیفہؓ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگون پر ضرور نہین چنانچہ باوجود حضرت
عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگون نے شادیان کین۔ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک
دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عاملون کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال مین داخل
کر دیا تو ایک عامل نے جسکا نام ابوبکرہ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال
مین داخل کرنا چاہیے تھا، اور ہمارا تھا تو اُس مین سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور اُن کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ
نفسی، نیکوئی، حلم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی، و بے نیازی کی تصویر بن گیا تھا، تاریخ کے
مرقع مین اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ مین یہ خط و خال
صاف نظر آتے ہین۔

اجتہاد کی حیثیت
محدث و فقیہ ہونا

حدیث و فقہ کا فن، درحقیقت تمام تر اُن کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہؓ مین

اجتہاد کے منصب حدیث و فقہ

لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ اُن کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہی نے قائم کیے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ مین احادیث کے استقصا کا خیال نہیں کیا گیا تھا جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کرلیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثین محفوظ نہ تھین۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے مین زیادہ ضرورتین پیش آئین اس لیے مختلف صحابہ سے استفسار کرنیکی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرا کا راستہ نکلا۔

احادیث کا تفحص

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلمون کی کثرت نے سیکڑون نئے مسائل پیدا کردیے تھے اس لحاظ سے انھون نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق طے کیے جائین۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام مین جسمین اکثر صحابہؓ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہین جنکی نسبت کتب حدیث مین نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیثوں کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر اسکو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلون کے لیے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے اسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیرین اختیار کین۔

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی، یہ حدیثین اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھین۔

(۳) صحابہ مین جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک مین حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین، "چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامتؓ، و ابو درداءؓ را بشام و بمعاویۃ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند[۱]"

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت مین گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثین روایت کین، چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہین ستر سے زیادہ نہین ہین یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع مین یہان ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین رائے اور اجتہاد کو دخل نہین تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، اور واقع مین یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک مین لکھ بھیجا کہ "زکوۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے" تو اس احتمال کا محل نہین کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہین اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہین، لامحالہ اُس کے یہی معنی ہونگے کہ انحضر

[۱] ازالۃ الخفاء صفحہ ۶ حصہ دوم

نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہین سمجھا اور اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو، بلکہ حضرت عمرؓ نے اسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال خود ان احادیث مین بھی قائم رہتا ہے جن مین صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے خطبون مین، تحریری ہدایتون مین، فرامین مین، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہین، گو اُنھون نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہین، "ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بآن موقوف خلیفہ قوت یابد، یا رانیکہ بغور سخن میرسند در بند انکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث، واز فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث، این رامی فہمند و نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و علانیہ نمودہ[1]"

حدیث کے تفحص و جستجو، اور اشاعت و ترویج کے متعلق، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے لیکن اس باب مین، اُنکی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو اُنھی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اسوقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اسمین جو نکتہ سنجیان کین اور جو فرق مراتب پیدا کیا اسپر کسی کی نگاہ نہین پڑی تھی۔ سب سے پہلے اُنھون نے اسپر لحاظ کیا کہ احادیث مین زیادہ قابلِ اعتنا کس قسم

احادیث مین فرق مراتب

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۶

کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو، رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کیلئے گنجینۂ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاھم فالاھم۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تمامتر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اسمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصبِ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں، باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "باستقرائے تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظرِ دقیق در تفریق میانِ احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد، از غیرِ آن، مصروف می ساخت، لہذا احادیثِ شمائل آنحضرت صلعم و احادیثِ سُننِ زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد۔ بدو وجہ، یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست محتمل کہ چون اہتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سننِ زوائد بسُننِ ہدیٰ مشتبہ گردد"[1]

حضرت عمرؓ نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جسمیں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ "دعا کے قبول و عدمِ قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر"[2]

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید

---

[1] ازالۃ الخفاء حصۂ دوم صفحہ ۱۴۱ [2] ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۱۴۱-

اور فن جرح وتعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کردیجاتی ہے گو صحیح نہو۔ اسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہوجاتا ہے، اسی بنا پر یہودیون کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ مین شامل ہوگئین۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح وتعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل اُنکے نزدیک ثابت ہوجاتی تھی تو پھر اُنکو زیادہ پرسش جو نہین ہوتی تھی، اسکے ساتھ۔ قرن اوّل کی نسبت اُنھون نے یہ عام کلیہ قائم کرلیا کہ کسی روایت مین ضعف کا احتمال نہین ہوسکتا لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزین خصائص بشری ہین اُن سے کوئی زمانہ مستثنٰے نہین ہوسکتا اسلیے وہ احادیث کی چھان بین مین تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانۂ مابعد مین پیدا کیے۔ ایکدفعہ ابو موسے اشعریؓ اُن سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ السلام علیکم ابو موسے حاضر ہے، حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام مین مصروف تھے اس لیے متوجہ نہو سکے۔ کام سے فارغ ہوچکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہان ہین؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیون واپس گئے اُنھون نے کہا کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ مین تمکو سزا دون گا، ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی چنانچہ ابو سعید نے آکر شہادت دی کہ مین نے رسول اللہ سے یہ حدیث سُنی ہے حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمرؓ! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ مین نے ایک روایت

سُنی اور اُسکی تصدیق کرنی چاہی۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق باین دی جاے اُسکو عدت کے زمانہ تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہین؟ قرآن مجید مین ہے کہ اسکنوھن من حیث سکنتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے' فاطمہ بنت قیس۔ ایک صحابیہ تھین اُن کو اُن کے شوہر نے طلاق باین دی' وہ آنحضرتؐ کے پاس گئین کہ مجھکو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہین' انکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "نہین" فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کین تو حضرت عمرؓ نے کہا لا نترک کتاب اللّٰہ بقول امرءۃ لا ندری لعلّھا حفظت او نسیت یعنی "ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہین چھوڑ سکتے' معلوم نہین اسکو حدیث یاد رہی۔ یا نہین"۔

سَقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا' مغیرہؓ نے اسکے متعلق ایک حدیث روایت کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ' چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا' اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ مین جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائید کی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگون نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھکو تمھاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن مین نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

سلہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان مین مذکور ہے سلہ یہ دونون واقعے تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرؓ کے حال مین مذکور ہین ۱۲

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت مین خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے
اس لیے روایت کے بارے مین سخت احتیاط شروع کی، اسکے متعلق اُنھون نے جو بندشین
کین۔ آج کل لوگون کو اُن پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، اس لیئے مین اس موقع پر خود کچھ
نہ لکھون گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثون نے جو کچھ لکھا ہے اُسکو نقل کر کے لفظی ترجمہ کرونگا
علّامہ ذہبی جن سے بڑھکر اُن کے بعد کوئی محدث نہین گذرا، اور جو حافظ بن حجر و سخاوی
وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہین، تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرؓ کے حالات مین لکھتے ہین۔

کثرت روایت سے روکنا

وقد کان عمر من وجلہ یخطی الصاحب علی یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے
رسول اللہ۔ یامرھم ان یقلوا الروایۃ مین غلطی نہ کرین صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہؐ کم روایت
عن نبیھم ولئلا یتشاغل بالاحادیث کرین اور تا کہ لوگ حدیث مین مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے
عن حفظ القرآن + عن قرظۃ بن کعب سے غافل نہو جائین۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے
قال لما سیرنا عمر الی العراق مشی معنا کہ جب عمرؓ نے ہمکو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے
عمرؓ قال اتدرون لم شیعتکم قالوا نعم اور کہا کہ تمکو معلوم ہے کہ مین کیون تمھارے ساتھ آتا ہون؟
مکرمۃ لنا۔ قال ومع ذلک فانکم تاتون لوگون نے کہا ہماری عزت بڑھانیکو، فرمایا کہ ہان لیکن اسکے ساتھ
اھل قریۃ لھم دوی بالقرآن کدوی یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام مین جاتے ہو جہان کے لوگون کی آواز
النحل فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم شہد کی مکھی کیطرح قرآن پڑھنے مین گونجتی رہتی ہے۔ تو انکو حدیثون مین
جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ نہ پھنسا لینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو اور رسول اللہؐ سے کم روایت
وانا شریککم فلما قدم قرظۃ قالوا کرو، مین تمھارا شریک ہون، جب قرظہ ان پہونچے تو لوگون نے کہا

حدثنا فقال نہانا عمرؓ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ۔ قلت لہ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقتہ

کہ حدیث بیان کیجیے۔ اُنھوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہمکو منع کیا ہے، ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، اُنھوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھکو درے سے مارتے۔

ان عمر حبس ثلثۃ ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری۔ فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ و ابو درداؓ و ابو مسعود کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب۔ دارمی کے قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا[1]

حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں حضرت عمرؓ کا مقصد خود انھی کی تصریح سے معلوم ہوسکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ یعنی اگر مجھے یہ ڈر ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائیگی تو میں حدیث بیان کرتا

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اسکے رواۃ یہ ہیں محمد بن سعد، عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ) موسی بن طلحہ، ابو الحوتکیہ

حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جو مقامات علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہان تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اکابر صحابہؓ کو تھی۔ علامۂ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکرؓ تھے علامۂ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں قلم بند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا۔ اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھکر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو، لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہؓ کی احتیاط میں فرق تھا اور

۱؎ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعود ۲؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴

صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بناپر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی بناپر حضرت ابو ہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں اُن کو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بیداغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہوگئی لیکن اعتماد اور وثوق کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ "ہرچند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ہمہ منقول عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم اما درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد حادث شدہ فرق ما بین السموٰات والارض است۱"

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں جابجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت اُن کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اُس کے مشابہ یا اُس کے قریب یا اس کی مثل۔ ابو درداؓ اور حضرت انسؓ جو بہت بڑے صحابی تھے اُن کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

۱ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱۔ ۱۲

ساتھ سال بھر رہا اس مدت مین اُن سے صرف ایک حدیث سُنی ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر مہینہ بھر مین صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے سائب بن یزید کا قول ہی کہ مین سعد وقاص رض کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا۔ لیکن انھون نے اس مدت مین ایک حدیث بھی نہین روایت کی چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتین صحیح دارمی مین بسند متصل منقول ہین۱،

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر نے جو مقدم اصول قائم کیے اُن کو اجمالاً یون بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہین۔

(۳) خبر واحد مین تائیدی شہادت کی حاجت ہے۔ جسکو محدثین کی اصطلاح مین تابع اور شاہد کہتے ہین۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہین ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار مین موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے،

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رض کا ساختہ و پرداختہ ہے اس فن کے متعلق اُن کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا مسند دارمی مین ہے کہ حذیفہ بن الیمان رض نے کہا کہ فتوی دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو، لوگون نے پوچھا

۱؎ مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۴۵ تا ۴۸

ایسا کون شخص ہے؟ حذیفہؓ نے کہا عمرؓ بن الخطاب۔ عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا[1]

علامہ ابو اسحٰق شیرازیؒ نے جو مدرسۂ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اسمیں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے،

ولولا خوف الاطالۃ لذکرت من فقھہ ما یتحیر فیہ کل فاضل، یعنی اگر تطویل کا خوف نہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتوے اور ان میں فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اسقدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اسکو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چلکر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہو کہ فقہ کے جسقدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلادِ اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانیِ فن، انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً۔ مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہؓ بن عباس تھے۔ مدینہ منورہ کے زیدؓ بن ثابت و عبداللہؓ بن عمرؓ کوفہ کے حضرت علیؓ، عبداللہؓ بن مسعود۔ و ابو موسیٰؓ اشعری، شام کے ابو درداؓ و معاذؓ بن جبل۔ ان میں حضرت علیؓ کے سوا اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاصکر عبداللہؓ بن عباس و عبداللہؓ بن عمرؓ و عبداللہؓ بن مسعود تو اُن کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہو کہ عمرؓ کے ساتھ

[1] استیعاب قاضی بن عبدالبر و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸۵ حصۂ دوم۔

ایک ساعت کا بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہون"، عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامنِ تربیت مین پالا تھا، یہان تک کہ لوگون کو اسپر رشک ہوتا تھا صحیح بخاری مین خود حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھکو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اسپر بعض بزرگون نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیون شریک کرتے ہین، اور ہمارے لڑکون کو جو اُس کے ہمسر ہین کیون یہ موقع نہین دیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"

محدث عبدالبرؒ نے استیعاب مین لکھا ہے "کان عمر یحبب ابن عباس ویقربہ یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور اُن کو تقرب دیتے تھے"، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس مین کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہؓ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہین ہے" کوئی شخص اگر عبداللہؓ بن عباس کے مجتہدات کو، حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونون مین استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہؓ بن عمر حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابتؓ۔ برسون حضرت عمرؓ کی صحبت مین تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عمرؓ عبداللہؓ بن مسعود۔ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم

لہ استیعاب قاضی ابن عبدالبر و ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۱۹ حصہ اول۔ ۲ صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ۔

ملتے جلتے ہین"۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کے اصحاب مین چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمرؓ، علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زیدؓ بن ثابت، ابو موسیٰؓ اشعری، امام محمدؒ نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے ستۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذکرون الفقہ بینھم۔ علی بن ابی طالب وابیؓ وابو موسیٰ علیحدۃ وعمر زید وابن مسعودؓ یعنی اصحاب رسول اللہ مین سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے تھے علیؓ، ابیؓ، اور ابو موسیٰؓ اشعری ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ، زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ، صفوان بن سلیمؒ کا قول ہے۔ لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی ومعاذ وابی موسیٰ یعنی آنحضرت صلعم کے زمانے مین صرف چار شخص فتوے دیتے تھے عمرؓ، علیؓ، معاذؓ، ابو موسیٰؓ" امام شعبیؒ کا مقولہ ہے کان العلم یوخذ عن ستۃ من الصحابۃ[۳] یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

صحابہ مین چھ شخص فقہ کے امام تھے

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ مین صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد، خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہین جن مین حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اُسکے معارض بھی نہین ان مسائل کے لیئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہین جسکی نسبت حدیث مین کوئی حکم بتصریح موجود نہین۔ بلکہ قواعد استنباط کے

۱؎ فتح المغیث صفحہ ۳۸۱ ۲؎ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابو موسیٰ اشعری ۳؎ فتح المغیث صفحہ ۳۸۱

ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثین اسکی معارض ہین ایسی صورتون مین اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے' صحابہ مین ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتوی دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے' چنانچہ اُن کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے' لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگون کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر گذرا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ چار صاحبون یعنی عمرؓ علیؓ۔ ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ کا نام لکھکر لکھتے ہین؛

وَاما غیرھولاء الاربعۃ فکانوا یروون دلالۃً — یعنی اِن چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن

ولکن ما کان یمیزون الرکن والشرط من — آداب و سنن اور ارکان و شرائط مین امتیاز و تفریق

الاداب والسنن ولم یکن لھم قول عند — نہین کر سکتے تھے۔ اور جہان حدیثین متعارض ہوتی تھین اور

تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الاقلیلا — دلائل مین تقابل ہوتا تھا وہان وہ (بجز بعض بعض موقعون کے)

کابن عمر وعائشۃ وزید بن ثابتؓ[1]، — دخل نہین دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ۔ عائشہؓ۔ زید بن ثابتؓ۔

بہرحال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ اُن کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت مین بلند پایہ نہ تھے صحیح مسلم کے مقدمہ مین ہے کہ "عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھیون کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگون نے روایتین کین' اُن پر اعتبار نہین کیا جاتا تھا"۔ معاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لیے شام بھیجا تھا۔ لیکن اُن کا ۱۸ھ مین انتقال ہوگیا، اِس لیے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے

[1] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۳۷۔

"حدیث او چندان باقی نماند[۱]" عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری حضرت عمرؓ کے خاص شاگرد ہین تھے ابو موسیٰؓ اشعری کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "و زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست[۲]" ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ مین جن جن لوگون کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے حضرت عمرؓ نے مسائل فقہیہ مین جسقدر فکر اور خوض کیا تھا صحابہؓ مین سے کسی نے نہین کیا تھا۔ اُنھون نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید مین جو مسائل فقہ مذکور ہین، ان مین جہان ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہین ہوتی تھی بس نہین کرتے تھے یہ بات اور صحابہؓ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص رسول اللہؐ کی خدمت مین کہنے سننے کی جرأت نہین رکھتا تھا، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انھون نے آنحضرتؐ سے اسقدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لیے کافی ہو سکتی ہے[۳]۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اسمین بھی محو و اثبات کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُسکو محو کر دیا اس کا حال امام محمدؒ نے موطا مین لکھا ہے[۴] قسطلانی نے شرح بخاری مین معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف رائین قائم کین، بعض بعض مسائل کے

مشکل مسائل قلمبند کرنا

۱؎ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸ حصہ دوم ۲؎ ازالۃ الخفا صفحہ ۳ حصہ دوم ۳؎ مسند امام احمد حنبل ۴؎ موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶۔

دقیق مسائل مین وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا

متعلق انکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی راے نہ قائم کرسکے۔ مسند دارمی مین ہو کہ دادا کی میراث کے متعلق انھون نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اسکو منگوا کر مٹا دیا، اور کہا کہ "آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجیے گا" اسی کتاب مین یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ مین نے دادا کی میراث کے متعلق راے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہین تو اس کو قبول کرین۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "آپکی راے ہم لوگ قبول کرین تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکرؓ کی راے مانین تو وہ بڑے صاحب رائے تھے" اکثر کہا کرتے تھے کہ "کاش رسول اللہؐ تین مسئلون کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالۃ۔ دادا کی میراث۔ ربا کی بعض اقسام"، مسائل فقہیہ کے متعلق انکو جو کدوکاوش رہتی تھی اس کے اندازہ کرنے کے لیے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان مین خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید مین اسکی تعریف مفصل مذکور نہین اس لیے صحابہ مین اختلاف تھا کہ کلالہ مین کون کون ورثہ داخل ہین۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا، اسپر تسلی نہین ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہؐ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے مین تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن ان تمام باتون پر ان کو کافی تسلی نہین ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزون کی حقیقت بتا جاتے تو مجھکو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی، خلافت۔ کلالہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثون کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن مین نقل کیا ہے،

چونکہ انکے زمانے مین فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھین اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا

تھا۔ اسلیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ مین سے تھے، تاہم بہت سے مسائل مین وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کیطرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی انکے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابون مین منقول ہین زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہین۔ جو ممالک مختلفہ سے انکے پاس جواب کے لیے آئے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ مین فتوون کے ساتھ، فتوے پوچھنے والون کے نام بھی موجود ہین، مثلاً عبد اللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوعبیدہ جراحؓ، مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ وغیرہ۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلون کا پیدا ہونا

لوگون کا حضرت عمرؓ سے استفتا کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا انکی راے بھی فتوے کے لیے کافی ہو سکتی تھی تاہم احتیاط کے لیے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہؓ کی مجلس مین پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثین ہوتی تھین، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف مین لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو اُن سے پہلے طے نہین ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہین کیا، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ ویناظرھم حتی تنکشف الغمۃ ویاتیہ الثلج فصار غالب قضایاہ وفتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض ومغاربھا۔

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہان تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا، اسیوجہ سے حضرت عمرؓ کے فتوون کی تمام مشرق و مغرب مین پیروی کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع مین پیش کر کے طے کیا انکی تعداد کچھ کم نہین، اور

کتب احادیث و آثار مین انکی پوری تفصیل ملتی ہے، مثلاً بیہقی نے روایت کی ہو کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص مین (بیہقی نے اسکی تصریح بھی کی ہے) صحابہؓ مین اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کیے جائین چنانچہ متفقہ مجلس مین وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہؓ نے ایک رائے پر اتفاق کیا، لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہین تو آگے چلکر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اُٹھا رکھا گیا اور انھون نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہؓ مین بہت اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس منعقد کی جس مین یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ "جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اس مین چار تکبیرین کہی تھین" اس طرح اور بہت سے مسائل ہین لیکن یہ تفصیل کا محل نہین۔

مسائل اجماعیہ

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایات صحیحہ منقول ہین انکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان مین سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہین جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہین اور ان تمام مسائل مین ائمہ اربعہ نے انکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "و مجتہدین مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً"[1] مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ مین یہ مسائل منقول ہین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے انکی مدد سے **فقہ فاروقی** پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفا مین شامل کر دیا ہے یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۴۔

اور چیز ہے، انھون نے صرف یہ نہین کیا کہ جزئیات کی تدوین کی۔ بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے
اصول فقہ اصول اور ضوابط قرار دیے جس کو آج کل اصولِ فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہین وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہین، یا اُن مین کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ مین ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ "آنحضرت ؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہین، انکی دو قسمین ہین۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہین، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اُس سے باز رہو" دوسری وہ جنکو منصبِ رسالت سے تعلق نہین چنانچہ اُن کے متعلق خود آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا،

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ رَّاْیِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یعنی 'مین آدمی ہون اسلیے جب مین دین کی بابت کچھ حکم دون تو اسکو لو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہون تو مین ایک آدمی ہون'

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین کہ "آنحضرت ؐ نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، جو یا افعال آنحضرت ؐ سے عادۃً صادر ہوئے، نہ عبادۃً، یا اتفاقاً واقع ہوئے، نہ قصداً، یا جو باتین آنحضرت ؐ نے مزعومات عرب کے موافق بیان کین، مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتین کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کین، مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم مین داخل ہین[1]"

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۳۔

شاہ ولی اللہؒ صاحب نے احادیث کے مراتب مین جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہین کرسکتا، اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہین۔ کتب سیر اور احادیث مین تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری مین ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ "آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہین"۔ قیدیان بدر کے معاملے مین اُنکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ مین انھون نے آنحضرتؐ کی خدمت مین عرض کیا کہ "اسطرح دبکر کیون صلح کی جائے"، ان تمام مثالون سے تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتون کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتین منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھین اُن مین دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار، ہم اُنکو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرقِ مراتب کے اصول پر بہت سی باتون مین جو مذہب سے تعلق نہین رکھتی تھین اپنی رایون پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک اُمہات اولاد یعنی وہ لونڈیان جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھین حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روکدیا، آنحضرتؐ نے جنگ تبوک مین جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکون مین مختلف شرحین مقرر کین، آنحضرتؐ کے عہد مین شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات مین آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت کے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان مین کمی بیشی کرسکتے، اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ

ایک لحظہ کے لیے بھی مسندِ خلافت پر اُنکا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا،

حضرت عمرؓ کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام مین جب اُنھون نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اسپر ناپسندیدگی نہین ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات مین حضرت عمرؓ کی راے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعون پر تو خود وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی راے کی تائید کی۔ قیدیانِ بدر۔ حجابِ ازواجِ مطہرات۔ نمازِ برجنازۂ منافق، ان تمام معاملات مین وحی جو آئی وہ حضرت عمرؓ کی راے کے موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے، فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزون مین آنحضرتؐ کے ارشادات منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، انمین اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائین چنانچہ معاملات مین حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتون سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ مین بکثرت موجود ہین، برخلاف اسکے امام شافعیؒ کو یہان تک کد ہے کہ ترتیبِ فوج تعیینِ شعار، تشخیصِ محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہین اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہین کہ رسول اللہؐ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہین۔

خبرِ احاد کے قابلِ احتجاج ہونیکی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبرِ احاد (یعنی وہ حدیث جسکا راوی ایک سے زیادہ

لہ اصولِ حدیث مین جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہون وہ بھی خبرِ آحاد مین داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا۔

نہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثون کو یہ درجہ دیتے ہین کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اُسکے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہین ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات۔ اسقاط جنین، خرید اری مکان عباس بن عبد المطلب، تیمم جنابت، کے مسئلون مین اُنھون نے عمار بن یاسرؓ، ابو موسی اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، اُبی بن کعب کی روایتون کو اُسوقت تک قابل حجت نہین قرار دیا جب اور تائیدی شہادتین نہین گذرین، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ مین ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے اسی بنا پر وہ خبر احاد سے، قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہین قرار دیتے تھے، فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق، اپنی روایت سے آنحضرتؐ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہین بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور اُن کے ہم خیالون کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات مین اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحبؒ نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اصول مین فرق نہین آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہین، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہین۔ ان دونون صورتون مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہین کہ اُنمین تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے چنانچہ روز مرہ کے کامون مین ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہین جنکی نسبت ایک دو شخص کی شہادت

کافی نہین ہوسکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اُنھون نے الفاظِ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے مین غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے، اور اسوجہ سے کوئی عام قاعدہ نہین قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعون پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعون پر اسکے خلاف بھی کیا، اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد مین خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہا و محدثین مین سخت اختلاف آرا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثین پیدا ہو گئی ہین، لیکن جہانتک ہمنے ان تمام بحثونکو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب مین جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اُسکی نظیر کہین نہین ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے مین حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اُسکی بنا، صرف تحقیق حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالون کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہدیا۔

کار پاکان را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اُس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مین، تمام جزئیات مذکور نہین ہین، اسلیے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمۂ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد حنبلؒ سب قیاس کے قائل ہوئے ہین اور انکے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اوّل جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروقؓ ہین۔

عام لوگون کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبلؓ ہین، ان لوگون کا استدلال یہ ہے

کہ جب آنحضرتؐ نے معاذؓ کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کروگے" انھون نے کہا کہ "قرآن مجید سے جواب دون گا، اور اگر قرآن و حدیث مین وہ صورت مذکور نہو گی تو اجتہاد کرونگا"، لیکن اس سے یہ استدلال نہین ہو سکتا کہ اُنکی مراد قیاس سے تھی اجتہاد قیاس پر منحصر نہین! ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ مین اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی مین بہ سند مذکور ہی کہ حضرت ابوبکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن مین وہ صورت مذکور نہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور اُنکے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اُسکے مطابق فیصلہ کرتے[1]، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک، مسائل کے جواب مین قرآن مجید۔ حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اُسمین قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اُسکے یہ الفاظ ہین۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة۔ واعرف الامثال والاشباه۔ ثم قس الامور عند ذالك[2] جو چیز تمکو قرآن و حدیث مین نملے اور تم کو اسکی نسبت شبہ ہو اسپر غور کرو اور خوب غور کرو، اسکے ہمصورت اور ہمشکل واقعات کو دریافت کرو پھر اُن سے قیاس کرو۔

---

[1] یہ حدیث، مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ مین مذکور ہے [2] مسند دارمی صفحہ ۳۲ [3] یہ روایت دارقطنی مین مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۸۶۔

اصول فقہ کی کتابون مین قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع لعلۃ متحدۃ اصل کے حکم کو فرع تک پہونچانا کسی ایسی علت کیوجہ سے جو دونوں مین مشترک ہو

مثلاً آنحضرت صلعم نے گیہون۔ جو وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ انکو برابر بہ برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا

اس مسئلے مین قیاس اسطرح جاری ہوگا کہ آنحضرت صلعم نے گو چند خاص اشیاء کے نام لیے لیکن یہ حکم ان

تمام اشیاء مین جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہین مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونہ دے

اور اُس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لیے مقدم دو شرطین ہین (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے

وہ منصوص نہو یعنی اُسکے بارہ مین کوئی خاص حکم موجود نہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ مین علت مشترک ہو

حضرت عمرؓ کی تحریر مین۔ ان دونون شرطون کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے پہلی شرط کو

ان الفاظ مین بیان کیا مما لم یبلغک فی الکتاب والسنۃ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر

ہوتی ہے واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور،

ان مہمات اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے

مقرر کیے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہین لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ مین نہایت مختلف الرائے ہین،

اس اختلاف رائے کی وجہ کہین کہین تو یہ ہے کہ بعض مسائل مین ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور

دوسرے کو نہین، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبون کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف

تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابون مین ان مختلف فیہ اصولون کو تفصیل لکھا ہے لیکن اس سے یہ

نہین سمجھنا چاہیئے کہ ان ائمہ نے صراحۃً وہ اصول بیان کیے تھے، امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جسمین اپنے چند اصول منضبط کیے ہین، لیکن امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہین۔ بلکہ ان بزرگون نے مسائل کو جسطرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیے۔ کسی نے انسے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے مین اتری تھی۔ اُنھون نے کہا کہ آیت کسی بارے مین اتری ہو لیکن حکم عام ہے" اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اصول کے قائل تھے۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہین کرتا۔

استنباط احکام کے اصول

اصول فقہ مین امام ابوحنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہین، وہ اسی قسم کی صورتون سے مستنبط کیے گئے ہین، ورنہ ان بزرگون سے صراحۃً یہ قاعدے کہین منقول نہین۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعوے کہ اُنھون نے استنباطِ مسائل کے اصول قائم کیے، اسی بنا پر ہے، اکثر مسائل جو اُنھون نے طے کیے صحابہ کے مجمع مین بحث و مناظرہ کے بعد طے کیے، ان موقعون پر اُنھون نے جو تقریرین کین، اُن کے استقصا سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہین اکثر ان مین متناقض روایتین یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لیے اُنکو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ ان مین سے کسکو ترجیح دیجائے۔ کسکو ناسخ ٹھیرایا جائے کسکو منسوخ، کسکو عام ٹھیرایا جائے کسکو موقت مانا جائے کسکو موبد، اس طرح نسخ تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے

اصول قائم ہو گئے، عام طور پر فتوی دینے کے وقت بھی انکی تقریر سے اکثر کسی اصول کیطرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے کہا کہ "میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجیے، کیونکہ اُس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی" فرمایا کہ "تمھارا غلام تھا اور تمھاری ہی چیز چرائی، اسپر ہاتھ نہین کاٹا جا سکتا[1]"، اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لیے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ مین کسی طرح کا حق نہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا، حضرت عمرؓ نے اسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال مین ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہی۔ ایکدفعہ سفر مین ایک تالاب کے قریب اُترے، عمروؓ بن العاص بھی ساتھ تھے، اُنھون نے لوگون سے پوچھا کہ یہان درندے تو پانی نہین پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگون کو روکدیا کہ "نہ بتانا[2]" اس سے دو اصول ثابت ہوے ایک یہ کہ اصل اشیا اباحت ہے، دوسرے[3] یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہین ہین۔ ایک دفعہ رمضان مین، بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھُپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الخطبُ یسیرو قد اجتھدنا یعنی معاملہ چندان اہم نہین، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے[3]"

ایسی اور بہت سی مثالین ہین۔ کوئی شخص چاہے تو اُن سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کیے ان مین اکثر ایسے ہین جنہین اور صحابہ نے

---

[1] موطا امام مالک [2] موطا امام محمد صفحہ ۶۶ [3] موطا امام محمد صفحہ ۱۸۴

ساتھ اتفاق کیا، اور ائمۂ مجتہدین نے اُنکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقرا سے اِس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہین، لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہین جنمین دیگر صحابہ نے اُن سے اختلاف کیا۔ ان مین سے بعض مسائل مین جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہین۔ مثلاً تیمم جنابت، منع تمتع حج، طلقات ثلث، وغیرہ مین حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے، دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل مین، اور خصوصاً اُن مسائل مین جو معرکۃ الارا رہے ہین اور جنکو تمدن اور امور ملکی مین دخل ہے، عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

اُن مین سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہین۔

ایک بڑا معرکۃ الارا مسئلہ خمس کا ہے، قرآن مجید مین ایک آیت ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شئٍ فان للہ خمسہ جو کچھ تمکو جہاد کی لوٹ مین ہاتھ آئے اسکا پانچوان حصہ خدا کیلئے
وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین ہے اور پیغمبر کے لیے اور رشتہ دارون کے لیے اور یتیمون کے لیے
وابن السبیل۔ اور غریبون کے لیے اور مسافرین کے لیئے۔

خمس کا مسئلہ

اِس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خُمس مین رسول اللہؐ کے رشتہ دارون کا بھی حصہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عباس جو صحابہؓ مین "دریائے علم" کہلاتے تھے، نہایت زور کے ساتھ اِس آیت سے، خُمس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علیؓ نے اگرچہ مصلحۃً بنو ہاشم کو خمس مین سے حصہ نہین دیا۔ لیکن راے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہین[۱]،

یہ صرف حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ کی راے نہ تھی، بلکہ تمام اہل بیتؑ کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ایمہ مجتہدین مین سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابون مین بڑے زور شور کے ساتھ اسپر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگون کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہین سمجھتے تھے چنانچہ اُنھون نے اہل بیت کو کبھی خمس مین سے حصّہ نہین دیا۔ ایمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے' اُنکی راے تھی کہ جسطرح آنحضرتؐ کے بعد آنحضرتؐ کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے قرابت دارون کا حصہ بھی جاتا رہا۔ ابہمکو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے' اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہین، لیکن اُس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ مین تقسیم کرنا فرض ہے' قرآن مجید مین جہان زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہین وہان بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل اسمین زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیے ہین' فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مولفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، انمین سے جسکو زکوٰۃ دیجائے ادا ہوجائیگی یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ آٹھون گروہ پیدا کیے جائین۔ آٹھون گروہ موجود بھی ہون تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اسوقت زیادہ مدد کا محتاج ہے' کون کم' اور کون بالکل نہین۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کسی کو بالکل نہین

یہ التزام بالالزام صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کیے جائین اور آٹھون گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم وبیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگون کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے، یہ نہین کہ خواہ مخواہ اُسکے پانچ برابر حصے کیے جائین اور پانچون فرقون کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث وروایات کے استقرا سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ مین سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ مین داخل تھے لیکن آپنے اُن کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہین دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاد المعاد مین کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے[1]۔

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہین دیتے تھے، علامہ ابن القیم نے زاد المعاد مین لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمہ بینھم علی السواء بین اغنیائھم وفقرائھم ولا کان یقسمہ قسمۃ المیراث ۔۔۔ بل کان یصرفہ فیھم بحسب المصلحۃ والحاجۃ فیزوج منھم اعزبھم ویقضی منہ عن غارمھم ویعطی منہ فقیرھم کفایتہ[2]	لیکن دولتمندون اور غریبون کو برابر نہین تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنوارون کی شادی کرتے تھے، مقروضون کا قرض ادا فرماتے تھے غریبون کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

[1] زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۶۱ [2] زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۶۲۔

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ مین تعمیم نہین ہے یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرتؐ حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابتدار تھے دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہین ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہانتک صحیح روایتون سے ثابت ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتون مین اُن سے مخالف تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہین سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچوان حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفۂ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچوان حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اسمین کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہین۔ قاضی ابو یوسفؒ صاحب نے کتاب الخراج مین اور نسائی نے اپنی صحیح مین عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے،

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ایمنا ونقضی منه عن مغرمنا فابینا الا ان یسلمه لنا وابی ذالك علینا[1]،

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگون کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنے بیواؤن کے نکاح اور مقروضون کے ادائے قرض کے مصارف لیا کرین لیکن ہم بجز اسکے تسلیم نہین کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ مین دیا جائے عمرؓ نے اسکو منظور نہ کیا۔

اور روایتین بھی اسی کے موافق ہین صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے، اس لیے اسکی روایت کا اعتبار نہین ہو سکتا۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱۔

قرآن مجید کے نحوی اور آنحضرتؐ کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔

اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپکے لیے مخصوص کر دیا جائے، اسوقت مال غنیمت، فے، انفال یہی آمدنیاں تھیں، چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپکا حصہ مقرر کیا تھا جسکا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے، اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القربیٰ کا حق اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جسمیں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپکے قرابت داروں کے لیے، پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور گو انکی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولتمند ہو جائیں تاہم انکو

یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی، ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے، کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اسکی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اسمین اور خودغرض برہمنون مین کیا فرق ہوگا حضرت علیؓ اور عبداللہؓ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے انکا بھی یہ مقصد ہرگز نہین ہوسکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لیے ہے، بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے ان ہی کی نسبت انکو ایسا دعوی ہوگا،

ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمانون نے فتح کیا ہو، یہ مسئلہ فے کا مسئلہ
اس قدر معرکۃ الآرا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آجتک کوئی قطعی فیصلہ نہین ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط بحث اسمین اسوجہ سے ہوا کہ فے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب۔ ان مین لوگ تفرقہ نہ کرسکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہین،

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین دستور تھا کہ لڑائی کی فتح مین جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنیوالون کو برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھا ملتا تھا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو ابتدا مین جسطرح اور بہت سی قدیم رسمین قائم رہین، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا چنانچہ لڑائی کی فتح مین جو کچھ آتا تھا، غازیون پر تقسیم ہوجاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ صلعم کے عہد مین بھی قائم رہا اس لیے لوگون کو خیال ہوگیا کہ مال غنیمت غازیون کا ذاتی حق ہے اور وہ اسکے پانے کا ہرحالت مین دعوی کرسکتے ہین، یہانتک کہ ایک دفعہ اسپر جھگڑا اٹھا۔ جنگ بدر مین جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوے دور تک چلے گئے،

کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنیوالے واپس آئے تو اُنھوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑکر آئے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے محافظ تھے، اس لیے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی[1]

یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ، تجھ سے لوگ، مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

اس آیت نے اس اُصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اسمیں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کیے گئے تھے، پھر یہ آیت اُتری،

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل، جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اسکا پانچواں حصہ خدا کے لیے ہے، اور پیغمبر کے لیے، اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے، اور مسکینوں کے لیے، اور مسافروں کے لیے۔

اس آیت سے یہ قاعدہ ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصّے کیے جائیں۔ چار حصّے مجاہدین کو تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور جائداد کے لیے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا، غزوہ بنی نضیر میں جو ۴ھ میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اُتری۔

---

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۵۵۱۔ کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول یعنی جو زمین یا جائداد، ہاتھ آئے وہ خدا اور پیغمبر اور

ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل یتیمون، اور مسکینون، اور مسافرون، اور فقرا

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم مہاجرین، اور ان سب لوگون کی ہے جو آیندہ دنیا

والذین جاؤا من بعدھم میں آئین۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہین کیجائیگی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی اور اُسکے منافع سے تمام موجودہ اور آیندہ مسلمان متمتع ہونگے، یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فے کی۔

ان احکام مین لوگون کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگون نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا، ائمۂ مجتہدین مین سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور اُن کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کردینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوے تو لوگون نے اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالکِ مفتوحہ اُن کو تقسیم کردیے جائین چنانچہ عبد الرحمن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ، بلال بن رباحؓ نے سخت اصرار کیا لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل مین لکھ آئے ہین) بہت بڑا مجمع ہوا، اور کئی دن تک بحثین رہین آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورۂ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِینَ جَاؤا مِن بَعدِھِم پڑھکر فرمایا کہ

فکانت ھذہٖ عامۃً لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفیٔ بین ھٰؤلاءِ جمیعًا فکیف نقسمہ لھٰؤلاءِ وندع تو یہ تمام آیندہ آنیوالون کے لیے ہو۔ اور اس بنا پر یہ مال تمام لوگون کا حق ٹھیرے۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ مین موجودہ لوگونکو تقسیم کردون اوران لوگون کو محروم کردون جو آیندہ

من یخلف بعدھم[1] پیدا ہونگے،

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالون کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہین خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوے یہانتک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرتؐ نے کہین چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے مین باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے، ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرتؐ کی جائداد تھی کیونکہ اسپر چڑھائی نہین ہوئی تھی، بلکہ ان کے لوگون نے خود، آنحضرتؐ کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت مین داخل ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم | یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگون سے دلوایا تو تم لوگ اسپر
علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط | اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہین گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جسپر
رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر | چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

اور جب وہ آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اسمین وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید مین مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرتؐ کے ورثہ اسکے مستحق ہون گے لیکن حضرت عمرؓ نے باوجود حضرت علیؓ کے طلب و تقاضا کے آل نبیؐ کو اس سے محروم رکھا،

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیون مین بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہی کہ بات نہایت مختصر تھی، اور اب جبکہ سیاست تمدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہین

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ مین مذکور ہے ۱۲

یہ مسئلہ اس قابل بھی نہین ہے کہ بحث کے دائرہ مین لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا
بادشاہ کے قبضے مین جو مال یا جائداد ہوتی ہے، اسکی دو قسمین ہین ایک مملوکہ خاص جسکے
حاصل ہونے مین نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہین ہوتا مثلاً حضرت
داؤدؑ زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن لکھکر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی اُنکی ذاتی
آمدنی تھی اور اُسپر ہر طرح کا اُن کو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داودؑ کے
مقبوضہ ممالک۔ جو حضرت سلیمانؑ کے قبضے مین آئے۔

اس دوسری قسم مین وراثت نہین جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت یا بادشاہت
کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُس کا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق
کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد، اُنکے ممالک مقبوضہ
یا اُن کی جاگیر خالصہ اُنکے بیٹے، بھائی، مان، بہن، وغیرہ مین تقسیم نہین ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا
اُسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانون کے ہر فرقہ مین۔ یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا مثلاً جو
لوگ باغِ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہین وہ بھی اسمین وراثت کا قاعدہ نہین جاری
کرتے۔ مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے مین اُسکے مالک ہوئے تو یہ نہین ہوا کہ ان کی وفات کے بعد
وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ، و عباسؓ۔ و محمد بن حنفیہ۔ و زینبؓ وغیرہ کو جو حضرت علیؓ کے
وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ۔ سہام کے پڑتہ سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے
قبضہ مین آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مُسلّم قاعدہ ہے کہ جو جائداد۔ نبوّت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے

حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہین ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا اُسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب خیبر کی فتح سے پھرے تو محیصہؓ بن مسعود انصاری کو فدک والون کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا، فدک یہودیون کے قبضہ مین تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیون نے صلح کا پیغام بھیجا اور رضامند ہوے کہ صلح مین آدھی زمین دینی منظور کی۔ اُسوقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ مین آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص کیونکر ہوسکتی ہے فدک کی ملکیت خاص کا دعوی اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہین ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فَمَا اَوجَفتُم عَلَیہِ مِن خَیلٍ وَّلَا رِکَابٍ لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعہ قبضے مین آتے ہین وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہین؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ مین آئے کہ اُن پر چڑھائی نہین کرنی پڑی۔ کیا اُن کو کسی نے آنحضرتؐ کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہین کیا، تو فدک مین کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینین علانیہ وقف عام رہین لیکن فدک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کرلیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہے اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہین ہوئی تھی اور اس لیے سپاہ اور لوگون کو کسی قسم کا حق نہین حاصل تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہین۔ فدک کو بے شبہہ آنحضرتؐ نے اپنے ذاتی

سلہ فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر فدک۔

مصارف کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن کیونکر؟ اُسکے متعلق تفصیلی روایتین موجود ہین،

فکان نصف فدک خالصًا لرسول اللّٰہ یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرتؐ اُس مین سے

وکان یصرف ما یأتیہ منہا الی ابناء السبیل مسافرون پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت مین ہے۔

ان فدك كانت للنبی صلعم فکان ینفق یعنی فدک آنحضرتؐ کا تھا۔ آپ اسمین سے خرچ کرتے تھے[1]

منہا ویاکل ویعود علی فقراء بنی ہاشم فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے، اور اُن کی بیواؤن کی

ویزوج ایّمہم شادی کرتے تھے،

بخاری وغیرہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سال بھر کا اپنا خرچ اسمین سے لیتے تھے،

باقی عام مسلمین کے مصالح مین دیدیتے تھے،

ان روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا ملوکہ نبوت ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لیے

کوئی جاداد خالصہ کردی جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے **وقف** کی حیثیت اس سے

زائل نہین ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انھون نے

فدک مین وراثت نہین جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہین؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع مین جو تقریر کی تھی اُس مین

قرآن مجید کی اس آیت سے ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القری فللّٰہ الخ استدلال

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۱

کرکے صاف کہدیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں، چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گذر چکی ہے، البتہ یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اسکے یہی معنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ علی رَسُولِہٖ مِنْھُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ علی من یشاءُ۔

اور جو کچھ اِن لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اسپر چڑھ کر نہیں گئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبر کو جسپر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے،

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھکر کہا تھا کہ فکانت خالصۃً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اور یہ واقعہ صحیح بخاری۔ باب الخمس، اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اسمین شبہہ نہین کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہین ہوتا، جسطرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کر دیجاتی ہے کہ اسمین میراث کا عام قاعدہ نہین جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اُنھون نے جب آیت مذکورۂ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرتؐ کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیساکہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی مین مذکور ہے۔

فکان رسول اللّٰہ ینفق علیٰ اھلہٖ نفقتہٗ   آنحضرتؐ اس مین سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے، باقی کو

سنتهم من هذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعله خدا کے مال کی طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے زندگی بھر مجعل مال اللہ فعمل رسول اللہ بذالک حیاتہ اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابو بکر نے کہا کہ مین ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان کا جانشین ہون پس اسپر قبضہ کیا اور اسی طرح ابو بکر انا ولی رسول اللہ فقبضها ابو بکر فعمل کارروائی کی جسطرح رسول اللہ کرتے تھے پھر فیہا بما عمل رسول اللہ ۔ ثم توفی اللہ ابابکر اُنھون نے وفات پائی تو مین ابو بکر کا جانشین فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتها سنتین من امارتی ہوا پس مین نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اعمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلعم اور ابو بکر علیہ وسلم وبما عمل فیہا ابو بکر کرتے تھے۔

اِس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجود اسکے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہین سمجھتے تھے (جسمین وراثت جاری ہو) اور اسوجہ سے اسکے قبضہ کا مستحق صرف اُسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اور خود اپنے قبضہ کی وجہ یہی بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر اُسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اُنکے پاس فدک کے دعویدار ہوکر آئے تھے اور اُنھون نے کہدیا تھا کہ اسمین وراثت کا قاعدہ نہین جاری ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرتؐ کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے اُسی آیت کو جس سے آنحضرتؐ کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھکر یہ الفاظ کہے فهذہ عامة فی القری کلها یعنی جو حکم اس آیت مین ہے وہ انہی

مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہین بلکہ تمام آبادیون کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد[1] مین نہایت لطیف پیرایہ مین اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہین فھو ملك یخالف حکمہ غیرہ من المالکین ... وھذا النوع من الاموال ھو القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم ... ولولا اشکال امرہ علیھم لما طلبت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلعم میراثھا من ترکتہ وظنت انہ یورث عنہ ما کان ملکا لہ کسائر المالکین وخفی علیھا رضی اللہ عنھا حقیقۃ الملك الذی لیس مما یورث عنہ۔

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا رہے ہین اور جنمین بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات

اور

اخلاق وعادات

عرب مین روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب مین بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو لوازم شرافت تھے اور ان پر ہر قوم اور زمانہ

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۱۶۳ جلد دوم۔

ہین ناز کرسکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم مین پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف مین فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، نسابی، سپہگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزین تھین، اور ریاست و افسری مین انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب مین سے کافی حصّہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکون نے اسکو اور زیادہ جلا دیدی تھی یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے اُن کو سفارت کا منصب دیا تھا جو اُن لوگون کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے اُن کے معمولی جملون مین آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو اُن کے مُنھ سے نکل جاتے تھے ان مین بلاغت کی روح پائی جاتی تھی عمرو بن معدیکرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اسلیے متحیر ہو کر کہا "اللہ اسکا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے" مطلب یہ کہ ہمارے جسم مین اور اسمین اسقدر تفاوت ہے کہ دونون ایک کاریگر کے کام نہین معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ مین ابوعبیدہ نے جب اُن پر اعتراض کیا کہ آپ قضاے الٰہی سے بھاگتے ہین تو کس قدر بلیغ لفظون مین جواب دیا کہ "ہان قضاے الٰہی سے قضاے الٰہی کیطرف بھاگتا ہون"

قوتِ تقریر

خطبے

مختلف وقتون مین جو خطبے اُنھون نے دیے وہ آج بھی موجود ہین ان سے اُنکے زورِ تقریر برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اسکے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنّی غلیظٌ فلیّنّی اَللّٰھُمَّ اِنّی ضَعِیفٌ فقوّنی الا وانّ العربَ جَمَلٌ اَنِفٌ وقد اعطیتُ خطامہ الا وانی حاملہ علی المحجۃ

اے خدا مین سخت ہون مجھکو نرم کر مین کمزور ہون مجھکو قوت دے (قوم سے خطاب کرکے) ہان اعرب والے سرکش اونٹ ہین جنکی مہار میرے ہاتھ مین دی گئی ہے لیکن مین ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑونگا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب اُنھون نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے لوگون کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چُراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالدؓ ان سے بلا لیے گئے تھے، اس موقع پر حضرت عمرؓ کی تقریر کا اثر تھا کہ مثنّی شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع مین آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر مین جابیہ مین ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیون کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، اسکے ساتھ مختلف مذہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا، مسلمانون کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قومون کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا، ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک اُن کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگون کی زبانون پر رہے، فقہا نے اُس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالین پیدا کین تصوّف و اخلاق کے مضامین لکھنے والون نے اپنا کام لیا۔

۲۳ھ مین جب حج کیا اور یہ اُن کا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر مر جائینگے تو مین طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرونگا، حضرت عمرؓ مقام منٰی مین تشریف رکھتے تھے اور وہین یہ قصہ پیش آیا، اس واقعہ کی خبر ہوئی تو بڑا فروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات مین اس مضمون پر خطبہ دونگا۔

عبدالرحمن بن عوف رضؓ نے عرض کی کہ امیر المؤمنین! حج کے مجمع مین ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہین، اگر آپنے یہان تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھین گے اور نہ ادا کر سکین گے، مدینہ چلکر خواص کے مجمع مین تقریر کیجیے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہین' حضرت عمرؓ نے یہ راے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ مین مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد مین پہلے سے آآکر جمع ہوے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے، اس لئے منبر کے قریب جاکر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہوکر کہا کہ "آج عمر ایسی تقریر کرینگے کہ کبھی نہین کی تھی" سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھون نے پہلے نہین کہی ہ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری مین مذکور ہے[1]، اسمین سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعہ' انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت، کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھکر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھکر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اُسوقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا،

جن مجمعون مین غیر قومین بھی شریک ہوتی تھین۔ ان مین اُنکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ دمشق مین بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اُس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا[2]۔

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے اُن تیار ہوکر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ مین خود اُن کا بیان ہے کہ "مین خوب تیار ہوکر گیا تھا"!

[1] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹ [2] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۳۵ حصہ دوم۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رُک گئے اور زبان نے یاری نہ دی، اسوقت یہ عُذر کیا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ خطبہ کے لیے تیار ہو کر آتے تھے اور آیندہ سے مین بھی ایسا ہی کرون گا"

نکاح کا خطبہ اچھا نہین دیسکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہین آتا"، عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا، اس سے لوگون نے حضرت عمرؓ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اس نے کہا[1] "نکاح کے خطبہ مین حاضرین مین سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہین ہوتی بخلاف اسکے عام خطبون مین خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُسکو محکوم معلوم ہوتے ہین اور اسوجہ سے خود بخود اُسکی تقریر مین بلندی اور زور آجاتا ہے"، لیکن ہمارے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے کہ نکاح کے خطبہ مین موضوعِ سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتین کہنی پڑتی ہین۔

پولٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت یا فخر و ادعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا، ملکی پُر پیچ معاملات، خطبے مین نہین ادا ہو سکتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہین جس نے پولٹیکل خطبے دیے۔ اسکے ساتھ وہ خطبون مین اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر مین معمولی باتین ہوتی تھین لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

[1] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰

خطبے کے لیے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لیے ملکۂ تقریر کے علاوہ، اور جاعرضی باتیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں، آواز بلند اور پُر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن کے بعض خطبے نقل کر دیے جائیں۔ ایک موقع پر عُمّال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اُسکے الفاظ ہیں[1]۔

انی لا اجدُ هذا المالَ یُصلِحهٗ الا خلالٌ ثلثٌ۔ ان یوخذَ بالحق ویعطی بالحق ویمنع من الباطل ولستُ ادَعُ احدًا یظلِمُ احدًا حتی اَضَعَ خدّہ علی الارضِ واَضَعَ قدمی علی خدّہ الاخر حتی یذعِن للحق۔ یا ایها النَّاسُ اِنّ اللہ عَظَّمَ حقّہٗ فوق حق خلقہٖ فقال فیما عظَّم من حقہٖ ولا یامُرَکم ان تتخذ والملٰئکۃ اربابًا۔ الا وانی لم ابعثکم اُمَرَاءَ ولا جبّارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھُدٰی یھتدٰی بکمُ ولا تغلقوا الابوابَ دُوْنَھُمْ فیاکل قویھم ضعیفھُم،

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

فانتم مستخلفون فی الارض قاھرون لاھلھا۔ قد نصر اللہ دینکم فلا تصبح امۃ مخالفۃ لدینکم الا امتان۔ امۃ مُستعبَدۃٌ للاسلام واھلہٖ یجزّون لکمُ علیھم المؤنۃ ولکم المنفعۃ وامۃٌ ینتظرون وقائعَ اللہ وسطواتِہٖ فی کلِ یومٍ ولیلۃٍ قد ملأ اللہ قلوبھم رُعبًا۔ قد دھمتھم جنود اللہ ونزلت بساحتھم مع رفاھۃِ العیش واستفاضۃِ المال وتتابُعِ البعوث وسدِّ الثغورِ الخ[2]

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷ [2] ازالۃ الخفا ماخذ از تاریخ طبری۔

حضرت عمرؓ کے خطبون کا خاتمہ ہمیشہ اِن فقرون پر ہوتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْنِی فِی غَمْرَۃٍ وَلَا تَأْخُذْنِی عَلٰی غِرَّۃٍ وَلَا تَجْعَلْنِی مَعَ الْغَافِلِیْنَ۔[1]

قوتِ تحریر

قوتِ تقریر کے ساتھ تحریر مین بھی اُن کو کمال تھا، اُن کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات ہر قسم کی تحریرین آج موجود ہین، جو تحریر جس مضمون پر ہے اُس باب مین بے نظیر ہے چنانچہ ہم بعض بعض تحریرین نقل کرتے ہین۔

ابو موسےٰ اشعری کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لِلنَّاسِ نَفْرَۃً عَنْ سُلْطَانِھِمْ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ تُدْرِکَنِی وَاِیَّاکَ عَمْیَاءُ مَجْھُوْلَۃٌ وَضَغَائِنُ مَحْمُوْلَۃٌ وَاَھْوَاءٌ مُتَّبَعَۃٌ۔ تَکُوْنُ مَالُ اللّٰہِ عَلٰی حَذَرٍ وَخِفِ الْفُسَّاقَ وَاجْعَلْھُمْ یَدًا یَدًا وَرِجْلًا رِجْلًا وَاِذَا کَانَتْ بَیْنَ الْقَوْمِ ثَائِرَۃٌ یَا لَفُلَانٍ یَا لَفُلَانٍ فَاِنَّمَا تِلْکَ نَجْوَی الشَّیْطَانِ فَاضْرِبْھُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَفِیْئُوْا اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ وَیَکُوْنَ دَعْوٰھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰؓ کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْقُوَّۃَ فِی الْعَمَلِ اَنْ لَا تُؤَخِّرُوْا عَمَلَ الْیَوْمِ لِغَدٍ فَاِنَّکُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِکَ تَدَارَکَتْ عَلَیْکُمُ الْاَعْمَالُ فَلَمْ تَدْرُوْا اَیَّھَا تَأْخُذُوْنَ فَاَضَعْتُمْ۔

عمرو بن العاصؓ کو جب مصر کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تو اُنھون نے خراج کے بھیجنے مین دیر کی، حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاصؓ نے لیت و لعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ مین

---

[1] عقد الفرید خطبات عمرؓ

آکر زجر و تہدید کا خط لکھا، عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریرین مقریزی نے تاریخ مصر مین بعینہ نقل کی ہین، ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا انداز ہوتا ہے، بعض فقرے یہ ہین۔

وَقَد عَلِمتُ اَنَّہٗ لَم یَمنَعکَ مِن ذٰلِکَ اِلَّا اَنَّ عُمَّالَکَ عُمَّالُ السُّوءِ۔ اِتَّخَذُوکَ کَھفًا وَعِندِی بِاِذنِ اللّٰہِ دَوَاءٌ فِیہِ شِفَاءٌ۔ اِنِّی عَجِبتُ مِن کَثرَۃِ کُتُبِی اِلَیکَ فِی اِبطَائِکَ بِالخَرَاجِ وَکِتَابِکَ اِلَیَّ بِثُنیَّاتِ الطُّرُقِ عَمَّا اَسأَلُکَ فِیہِ۔ فَلَا تَجزَع اَبَا عَبدِ اللّٰہِ اَن یُؤخَذَ مِنکَ الحَقُّ وَتُعطَاہُ فَاِنَّ النَّھرَ یُخرِجُ الدُّرَّ۔

مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ اُن کی شہرت، عام طور پر کم ہے اِسمین شبہ نہین کہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی مین یہ واقعہ متروک نہین ہوسکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام، کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر اُن کی خاص خاص رائین تھین اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ اُن کے زمانے مین ان سے بڑھکر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی، کتاب العمدہ مین جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہین۔

وَکَانَ مِن اَنقَدِ اَھلِ زَمَانِہٖ لِلشِّعرِ وَاَنفَذِھِم فِیہِ مَعرِفَۃً[1] یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے مین سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور داشناس تھے

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین لکھا ہے

[1] کتاب العمدۃ ذکر اشعار الخلفاء ۱۲

کَانَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّاب اَعْلَمَ النَّاس بِالشِّعْر[1] یعنی عمر بن خطاب۔ اپنے زمانہ مین سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگون نے حضرت عمرؓ سے اسکی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے، حکم قرار دیا اور جو فیصلہ اُنھون نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے، اس لیے اہل ادب نے جہان اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعراء کے بیچ مین نہین پڑنا چاہتے تھے، ورنہ شعر کے دقائق اُن سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا[2]،

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعرا کہتے تھے

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعرون کو اُنھون نے سب مین انتخاب کیا تھا، امرء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب مین وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اُسکو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب و علماء ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہین ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا، لیکن اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینون مین محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی اور جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء

---

۱ کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷ و ۲ و ۳ دیکھو کتاب البیان والتبیین الجاحظ صفحہ ۹۷ و کتاب العمدہ باب تعرض الشعراء ۱۳۱۱

کے اشعار پڑھو، عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر! انھون نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اسکے جواب مین جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک

کان لا یتبع حوشی الکلام ولا یعاظل	وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش مین نہین رہتا۔ اسکے کلام مین
من المنطق ولا یقول الا ما یعرف ولا	پیچیدگی نہین ہوتی، اور ایسے مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے، جب کسی کی
یمتدح الرجل الا بما یکون فیہ	مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو فی الواقع اسمین ہوتے ہین۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قیسُ بن عیلان غایۃً　　من المجد من یسبق الیھا یسوّد

ولو کان حمدٌ یُخلِدُ النّاسَ لم تمُت　　ولکن حمدُ النّاسِ لیس بمُخلِدِ

ناقدینِ فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتین اسمین بتائی ہین وہ یہ ہین، کہ اسکا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اسکی زبان ایسی شستہ ہے، کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے، اسکے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہین کرتا، حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتون کو نہایت مختصر لفظون مین ادا کردیا۔

زہیر، کا ممدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونون کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور اُن کے دربار مین حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح مین زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمھارے خاندان کی شان مین زہیر خوب کہتا تھا، اُس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہان لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہوگیا اور اس کا دیا ہوا آج

بھی باقی ہے"، زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمھارے باپ کو جو خلعت دیے تھے کیا ہوئے اُس نے کہا بوسیدہ ہوگئے۔ فرمایا لیکن تمھارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کیے تھے زمانہ انکو بوسیدہ نکر سکا۔[1]

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اُسکے اکثر اشعار اُن کو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ سب سے بڑھکر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

الا سلیمان اذ قال الاله له　　قم فی البریة فاحددها عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتیتک عاریا خلقا ثیابی　　علی خوف تظن بی الظنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبة　　ولیس وراء الله للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا "یہ شخص اشعر العرب ہے"۔[2]

امرء القیس کی نسبت اُنکی رائے

باایں ہمہ وہ امرء القیس کی اُستادی اور ایجادِ مضامین کے منکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شعرا کی نسبت اُنکی رائے پوچھی تو امرء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقهم خسف لهم عین الشعر　　وہ سب سے آگے ہے۔ اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا اسکی

وافتقر عن معان عور اصح بصر　　اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امرء القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت بلاغت میں کم درجہ پر

[1] آغانی تذکرہ زہیر [2] آغانی تذکرہ نابغہ ۱۲

مانے جاتے تھے، چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لےلیکر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

شوقِ ذوق

وَاِنَّ الْحَقَّ مَقْطَعُہٗ ثَلَاثٌ　　یَمِیْنٌ اَوْنِفَارٌ اَوْجِلَاءٌ

تو حسنِ تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے، ایک اور دفعہ عبدۃ ابن الطبیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر:-

وَالْمَرْءُ سَاعٍ لِاَمْرٍ لَیْسَ یُدْرِکُہٗ　　وَالْعَیْشُ شُحٌّ وَاِشْفَاقٌ وَتَامِیْلُ

پھڑک اُٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دُہرایا کیے۔[1]

حفظِ اشعار

اگرچہ اُن کو مہماتِ خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونیکا موقع نہیں مل سکتا تھا، تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے علمائے ادب کا بیان ہے کہ اُن کے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے،

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جنہیں خودداری آزادی، شرافت نفس، حمیت، غیرت، کے مضامین ہوتے تھے، اسی بناء پر اُمرائے فوج اور عمالِ اضلاع کو حکم بھیجدیا تھا۔ کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

---

[1] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء، [2] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (صفحہ ۹۷ و ۹۸) میں نقل کی ہیں۔

مُر من قبلک بتعلّم الشّعر فانّہٗ لوگون کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق
یدلّ علی معالی الاخلاق وصواب کی ابند باتین اور صحیح راے اور انساب کے طرف رستہ
الرّأی ومعرفۃ الانساب دکھاتے ہین

اشعار کا تعلیم مین داخل کرنا

تمام اضلاع مین جو حکم بھیجا تھا اُسکے یہ الفاظ تھے[1]۔

علّموا اولادکم العوم والفروسیّۃ اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلین اور
ورّوھم ما سار من المثل وحسن من الشّعر اچھے اشعار یاد کراؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیے، اُسوقت تک تمام عرب مین یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا، شریف عورتون کا نام علانیہ اشعار مین لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جُرم قرار دیا۔ اور حطیہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اس جرم مین قید کیا۔

لطیفہ۔ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ، ایک شاعر نے اُن کی ہجو لکھی، انھون نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہین؟ اُنھون نے یہ شعر پڑھا۔

اذا اللّٰہ عادی اھل لؤم ورقّۃ فعادی بنی العجلان رھط ابن مقبل

خدا، اگر کمینہ آدمیون کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلۂ عجلان کو بھی دشمن رکھے

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تو ہجو نہین بلکہ بد دعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۳

اُنھون نے دوسرا شعر پڑھا

قُبَیِّلَۃٌ لَا یَغْدِرُوْنَ بِذِمَّۃٍ — وَلَا یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ حَبَّۃَ خَرْدَلِ

یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہین کرتا — اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا" حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب مین یہ باتین کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھین۔

وَلَا یَرِدُوْنَ الْمَاءَ اِلَّا عَشِیَّۃً — اِذَا صَدَرَ الْوُرَّادُ عَنْ کُلِّ مَنْھَلِ

یہ لوگ چشمے یا کنوئین پر صرف رات کے وقت جاتے ہین — جب اور لوگ واپس آچکتے ہین

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بیکس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنکر کہا کہ "بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے" اُنھون نے آخری شعر پڑھا

وَمَا سُمِّیَ الْعَجْلَانُ اِلَّا لِقَوْلِھِمْ — خُذِ الْقَعْبَ وَاحْلُبْ اَیُّھَا الْعَبْدُ وَاعْجَلِ

اُس کا نام عجلان اس لیئے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے — کہ اے اُو غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ لا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ"

علم الانساب — علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا یعنی کئی پُشتون سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطّاب مشہور نسّاب تھے حضرت عمرؓ اس فن کی متعلق کے متعلق اکثر اُن کا حوالہ دیا کرتے تھے، خطّاب کے باپ نفیل بھی اس فن مین شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات مین لکھ آئے ہین،

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب مین لکھ آئے ہین، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اُنھون نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان مین نہین ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے مین جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبری نہین جانتے تھے اس لیے یہودی پڑھکر سناتے اور عربی مین ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری مین حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔

کان اھل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان مین پڑھتے تھے ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام[1] اور مسلمانون کے لیے عربی مین اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے

مسند دارمی مین روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔[2] اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے

یہ امر بھی صحیح روایتون سے ثابت ہے کہ یہودیون کے ہان جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، اُن کا خود بیان ہے کہ مین یہودیون کے درس کے دن اُنکے ہان جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمھارے ہم مذہبون مین سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہین کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[3]

---

[1] صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴ [2] مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲ [3] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۳۳۔

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہان بھی کام دیا یعنی جس قدر وہ یہودیون کی کتابون سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر اُن کے بیہودہ افسانون اور قصّون سے اُنکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتین موجود ہین کہ شام و عراق وغیرہ مین مسلمانون کو یہودیون کی تصنیفات ہاتھ آئین تو حضرت عمرؓ نے لوگون کو نہایت سختی سے اُنکے پڑھنے سے روکا،

ذہانت وطباعی اُن کی ذہانت وطباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُن کے فقہی اجتہادات سے ہوسکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات مین اوپر گذر چکا۔ لیکن اُن کی معمولی بات بھی ذہانت وطباعی سے خالی نہین، چنانچہ ہم دو تین مثالین نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب اُنھون نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہین گذرے تھے کہ لوگون نے دربار خلافت مین شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہین۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو واپس بُلا لیا اور کہا کہ مین خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن مین نے خیال کیا کہ شاید آپ کو اس آیت کا مصداق بنا ئے[1]،

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا ہم چاہتے ہین کہ ان لوگون پر جو کمزور ہین احسان کرین اور اُن کو فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ امام اور (زمین کا) وارث بنائین۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سُنا کہ خدایا! مجھکو فتنون سے بچانا" فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو آل اولاد نہ دے[2]۔ قرآن مجید مین خدا نے آل واولاد کو فتنہ کہا ہے إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ)

---

[1] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار یاسرؓ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۵

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اسکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیون نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وہ (خدا) وہ ہے جو تمکو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے،

حکیمانہ مقولے

اسنکے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابون مین اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ مین کثرت سے نقل کیے ہین، نمونے کے طور پر بعض مقولے یہان درج کیے جاتے ہین۔

مَنْ کَتَمَ سِرَّہٗ کَانَ الْخِیَارُ فِیْ یَدِہٖ جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ مین رکھتا ہے،

اِتَّقُوْا مَنْ تُبْغِضُہٗ قُلُوْبُکُمْ جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔

اَعْقَلُ النَّاسِ اَعْذَرُھُمْ لِلنَّاسِ سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی دلیل کرسکتا ہو۔

لَا تُؤَخِّرْ عَمَلَ یَوْمِکَ اِلٰی غَدِکَ آج کا کام کل پر اُٹھا نہ رکھو،

اَبَتِ الدَّرَاھِمُ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَ اَعْنَاقَھَا روپے، سر اونچا کیے بغیر نہین رہتے۔

مَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہین بڑھتی۔

من لم یعرف الشر یقع فیہ جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہین، وہ برائی مین مبتلا ہوگا۔

مَا سَأَلَنِیْ رَجُلٌ اِلَّا تَبَیَّنَ لِیْ فِیْ عَقْلِہٖ جب کوئی شخص مجھسے سوال کرتا ہے تو مجھکو اُسکی عقل کا اندازہ معلوم ہوجاتا ہے

(واعظ سے خطاب کرکے) لَا یُلْھِکَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِکَ۔ لوگون کی فکر مین تم اپنے تئین بھول نہ جاؤ

اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا تَعِشْ حُرًّا دنیا تھوڑی سی لو۔ تو آزادانہ بسر کروگے۔

تَرْکُ الْخَطِیْئَۃِ اَسْھَلُ مِنْ مُعَالَجَۃِ التَّوْبَۃِ توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔

لی علی کلّ خائن امینان الماء والطین — ہر بد دیانت پر میرے دو دار وغہ متعین ہیں۔ آب و گل

لو انّ الصّبر والشّکر بعیران — اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اسکی نہ پروا کرتا کہ

ما بالیت علی ایّھما رکبت — دونوں میں سے کس پر سوار ہوں

رحم اللّٰہ امرءً اھدٰی — خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس

الیّ عیوبی — تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھپر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

ئب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ" میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے " تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا گمان ہوتا تھا"[1] اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی تو اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں، نماز کے اعلان کے لیے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے تُرہی کی

طریقہ ... عمر کی ... سے ... ہوا

رائے دی، حضرت عمرؓ نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لیے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔

یران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا، تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی، وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پردہ نہیں کرتی تھیں

ازواج مطہرات کا پردہ

حضرت عمرؓ کو اسپر بار بار خیال ہوا اور اُنھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، لیکن آنحضرتؐ

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمر۔

وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیت حجاب کہتے ہین

منافقون پر نماز جنازہ

عبداللہ بن اُبی جو منافقون کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرت صلعم نے خلق نبوی کی بنا پر اُسکے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمرؓ نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہین ا اسپر یہ آیت اُتری وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری ومسلم وغیرہ مین مذکور ہین۔

حضرت عمرؓ ہی کی راے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدوّن ومرتب ہوا ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونون صاحبون نے پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی، تمام مذہبی اور مُلکی اہم مسائل مین جہان جہان اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعون کے، عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائین صائب نکلین، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کردئے جائین[1] ایک حضرت عمرؓ اس راے کے خلاف تھے اور اگر لوگون نے اُن کی راے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی ممالک آج کاشتکاری سے بدتر ہوگئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ وحضرت علیؓ دونون فتوحات کی آمدنی مین ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگذاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحین قرار دین، حضرت ابوبکرؓ وحضرت علیؓ دونون صاحبون نے امہات اولاد کی خرید وفروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی، اِن تمام واقعات مین حضرت

---

[1] قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج مین لکھتے ہین "ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتھم ان یقسمہ" دوسری جگہ لکھتے ہین "ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجماعۃ المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان یقسم الشام الخ۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاجِ دلیل نہین،

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اِس بارگران کو اُٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبون کے نام لیے گئے حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائین دین اور وہ سب صحیح نکلین،

وہ ہر کام مین غور اور فکر کو عمل مین لاتے تھے اور ظاہری باتون پر بھروسہ نہین کرتے تھے اُنکا قول تھا کہ۔ لا یعجبنکم من الرجل طنطنته "یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سُنکر دھوکے مین نہ آؤ"، اکثر کہا کرتے تھے۔ لا تنظروا الی صلوٰته یعنی آدمی کی نماز و روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اُسکی سچائی اور عقل اُسکو دیکھو ولا صیامه ولکن انظروا الی عقله و صدقه کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُن کے سامنے کسی کی تعریف کی فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُس نے کہا نہین، پوچھا کبھی سفر مین ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہین، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہین ہو۔ احادیث کے باب مین بڑی غلطی جو لوگون سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس شخص کو ظاہر مین زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھکر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبد الکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہین! اُنھون نے فرمایا کہ

غرّنی بکثرۃ جلوسه فی المسجد یعنی اس بات نے مجھکو دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد مین بیٹھا کرتا تھا

۱؎ یہ قول ازالۃ الخفا حصۂ دوم صفحہ ۱۷۹ مین نقل کیا ہے ۲؎ فتح المغیث صفحہ ۱۲۸

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اس لیے عبادت کا وقت رات کو مذہبی زندگی
مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلین پڑھتے رہتے، جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والونکو جگاتے
اور یہ آیت پڑھتے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ[1]۔ فجر کی نمازین بڑی بڑی سورتین پڑھتے لیکن
زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتین پڑھتے، عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ مین نے ایک دفعہ انکے
پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انھون نے سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی تھی[2] یونس، کہف، ہود کا پڑھنا نماز
بھی اُن سے مروی ہے۔ نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے۔ کہ مین اُسکو
تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہون۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف
نہوتا تو پہلے اسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفین درست ہو چکی تھی کہ ایک شخص
صف سے نکلکر اُن کی طرف بڑھا۔ وہ اُسکی طرف متوجہ ہوے اور دیر تک اس سے باتین کرتے
رہے[3]۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام
مین اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز مین بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود اسکا قول ہے کہ مین
نماز پڑھتا ہوتا ہون اور فوجین طیار کیا کرتا ہون، ایک اور روایت ہے کہ مینے نماز مین بحرین کے
جزیہ کا حساب کیا[4]۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ آئی
تو کعبہ کی طرف اُنگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا
ہے کہ نماز مین اسقدر اشارہ کرنا جائز ہے بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب

---

[1] موطا امام مالک ۱۲ [2] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ صفحہ ۹۰ [3] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۲

[4] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۵۔

ہو جاتے۔ موطا امام مالک مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ مین دیر ہوگئی اور مسجد مین اُس وقت پہونچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت مین حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ اُنھون نے کہا مین بازار سے آرہا تھا کہ اذان سُنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیون اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلعم غسل کا حکم دیا کرتے تھے، ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کیے تھے، لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سُنا کہ صائم الدھر ہے تو اُس کے مارنے کے لیے دُرّہ اُٹھایا[1]۔ روزہ

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کہا کہ کیون ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت مین ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتون کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائین، نہ ہمکو ثواب ملے نہ عذاب" ابو موسیٰ نے کہا نہین مین تو اسپر ہرگز راضی نہین، ہم نے بہت سی نیکیان کی ہین اور ہمکو بہت کچھ اُمید ہے، حضرت عمرؓ نے کہا "اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ مین عمر کی جان ہے کہ مین تو صرف اسی قدر چاہتا ہون کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائین"۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۲

ظَلُومٌ لِنَفْسِیْ غَیْرَ اَنِّیْ مُسْلِمٌ ‌ ‌ ‌ ‌ اُصَلِّی الصَّلوٰۃَ کُلَّھَا وَ اَصُوْمُ

مین نے اپنی جان پر ظلم کیے ہین - ہان اتنا ہے ‌ ‌ ‌ کہ مسلمان ہون اور نمازین پڑھتا ہون اور روزے رکھتا ہون

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے، اور آج کل کے مقدس لوگون کی طرح تصلب اور سختی نہ تھی - ہمارے علما عیسائیون کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہین لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے[۱] کہ تَوَضَّأَ مِنْ مَاءٍ جِیْئَ بِہٖ مِنْ عِنْدِ نَصْرَانِیَّۃٍ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے[۲] تَوَضَّأَ عُمَرُ مِنْ مَاءٍ فِیْ جَرِّ نَصْرَانِیَّۃٍ[۳] یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا - بغوی نے حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہین اسکو کھاؤ[۴]" عیسائیون وغیرہ کا کھانا، آج کل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات مین یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اُسکو تین دن مہمان رکھین، آج غیر قومون سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ اُنکی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ مین مذکور ہے - شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے محاسن فضائل مین شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانون کے ملک مین رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحبؒ کے خاص الفاظ یہ ہین "و از ان جملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود[۵]"

بے تعصبی

[۱] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۸ جلد دوم [۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۸ [۳] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۸ [۴] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۲ جلد دوم

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسرون کو عیسائیون کے ملازم رکھنے سے بہت منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اِن روایتون کو قبول کرلیا ہے لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر مین سمجھ سکتا ہے کہ ان کی روایتون کا کیا پایہ ہے، اِن بزرگون کو یہ بھی خبر نہین کہ عراق مصر شام کا دفتر مالگذاری جسقدر رہتا سُریانی وقبطی وغیرہ مین تھا اور اس وجہ سے دفتر مالگذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمرؓ نے توفن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ مین طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف مین بتصریح لکھا ہے اسکے الفاظ یہ ہین۔

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا ہمارے پاس ایک رومی کو بھیجو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے،

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ مین نہین جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے مین غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین متعدد واقعات نقل کیے ہین[1]۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہین اُن کو سمجھنا چاہیے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہین ہے اسلام کی تصویر خلفاے راشدینؓ کے حالات کے آئینہ مین نظر آسکتی ہے

علمی صحبتین

حضرت عمرؓ کی مجلس مین اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی۔ ایکدن اصحاب سے کہا کہ صحابہ جو جنگ مین

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ و ۸۲ و ۹۴۔

رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس مین جمع تھے، حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ کی طرف خطاب کرکے کہا کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح سے کیا مراد ہے؟ بعضون نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائین، بعض بالکل چپ رہے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا انھون نے کہا "اسمین آنحضرتؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمدؐ! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اُٹھنے کی علامت ہے، اس لیے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شبہہ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تمنے کہا یہی میرا خیال ہے۔[1]

ایک اور دن، صحابہؓ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباسؓ بھی شریک تھے حضرت عمرؓ نے اس آیت کے معنی پوچھے اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ۔ لوگون نے کہا خدا زیادہ جانتا ہے حضرت عمرؓ کو اس لاحاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ نہین معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہین معلوم ہے، عبداللہ بن عباسؓ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے، حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھکر کہا صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو، جو تمھارے خیال مین ہو بیان کرو، عبداللہ بن عباسؓ نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا، حضرت عمرؓ نے اسپر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے لیکن اُسنے نافرمانی کی تو اُسکے اچھے اعمال بھی برباد کردیئے"[2]

ایک دفعہ مہاجرین صحابہؓ مین سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم مین ماخوذ

---

[1] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء [2] صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۶۵۱

ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آئے، حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی اُنھون نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اِس گناہ پر سزا کے مستوجب نہین ہو سکتے" پھر یہ آیت۔

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا۔ یعنی جن لوگون نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے اُنھون نے جو کچھ کھایا پیا، اُن پر الزام نہین۔

استدلال مین پیش کر کے کہا کہ "مین بدر، حدیبیہ، خندق اور دیگر غزوات مین آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہون، اس لیے مین اُن لوگون مین داخل ہون جنھون نے اچھے کام کیے"، حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباسؓ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنے جن لوگون نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی، اُن کے اور اعمال اگر صالح ہین تو اُن پر کچھ الزام نہین، اسکے بعد یہ آیت پڑھی جسمین شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے[1]۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔

جن لوگون سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم وفضل ہوتے تھے اور اسمین وہ، نوعمر اور معمر دون کی تمیز نہین کرتے تھے۔ صحیح بخاری مین[2] ہے۔ باصحبت

وَکَانَ الْقُرَّاءُ اَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ رضؓ وَمُشَاوَرَتِهٖ کُهُوْلًا کَانُوْا اَوْ شُبَّانًا یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علما تھے۔ خواہ بوڑھے ہون یا جوان،

---

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ روایت حاکم صفحہ ۲۱۳ [2] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۹ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر مغتصاً فی القراء (ازالۃ الخفا صفحہ ۱۱۹)

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمریؓ کہلاتا ہے، انہی علمی مجلسون کی بدولت
ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ
بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، حُر بن قیسؓ تھے حضرت عمرؓ
ان تمام لوگون کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے معمول تھا کہ جب
مجلس مین بیٹھتے۔ تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگون کو باریابی کی اجازت دیتے۔
یعنی پہلے قدمائے صحابہؓ آتے پھر اُن سے قریب والے، وَعَلٰی ھٰذَا۔ لیکن کبھی
کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگون کے لیے ہوتا جو علم کی فضیلت
مین ممتاز ہوتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کو قدمائے صحابہؓ کے ساتھ شامل
کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب مین اور بزرگون کی ہمسری نہ کرین یعنی
جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہین[1]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر مین کم تھے، مسائل کے متعلق
رائے دینے مین جھجکتے حضرت عمرؓ اُن کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ "علم سن کی کمی اور
زیادتی پر نہین[2] ہے"، عبداللہ بن عباسؓ اُس وقت بالکل نوجوان تھے، اُن کی
شرکت پر بعض اکابر صحابہؓ نے شکایت کی حضرت عمرؓ نے اُن کی خصوصیت کی وجہ بتائی
اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباسؓ اور کسی شخص نے صحیح
نہین دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی بہت قدر کرتے تھے سنہ ۲۱ھ مین جب انکو کوفہ کا مفتی
اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "مین اُن کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہون"

۱؎ فتح الباری شرح بخاری تفسیر اذا جاء نصر اللہ ۲؎ ازالۃ الخفا بحوالہ بغوی صفحہ ۱۱۹

اور مین نے تم لوگون کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُن کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہون" بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو اُن کی شان مین فرمایا۔

"کُنَیْفٌ مُلِئَ عِلْماً" یعنی "ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے"

اگرچہ فضل وکمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص اُن کا ہمسر تھا تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح، خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہین علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُن سے ڈرتے تھے، ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانون کا سردار اُٹھ گیا" زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت مین اپنا جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر اُن کو عطا کرتے تھے[1]۔ اسی طرح، ابوعبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، عمیر بن سعدؓ ابوموسی اشعریؓ، سالمؓ ابودرداؓ، عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہؓ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کیے تھے کہ وہ فضل وکمال مین ممتاز ہین۔ ابوذر غفاریؓ، جنگ بدر مین شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا اس بنا پر کہ وہ فضل وکمال مین اور لوگون سے کم نہین۔

ان کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی کسی شخص مین کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اُس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہبؓ الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا کہ وہ پرخطر معرکون مین ثابت قدم رہتے ہین[2]۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاصؓ

---

[1] سیرۃ العمرین لابن الجوزی [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶

کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے کہ خارجہؓ بہادر، اور عثمانؓ نہایت فیاض تھے۔[1]

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہؓ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جسقدر شعرا ہیں اُنکے وہ اشعار جو اُنھوں نے زمانۂ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہؓ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمایش کی، اُس نے یہ شعر پڑھا۔

لَقَدْ طَلَبْتَ هَيِّنًا مَوْجُودًا — أَرَجَزًا تُرِيدُ أَمْ قَصِيدًا

تم نے بہت آسان چیز کی فرمایش کی — بولو، قصیدہ چاہتے ہو، یا رجز؟

پھر لبیدؓ کو بلا کر یہ حکم سنایا، وہ سورۂ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھکو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہؓ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی، وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبیدؓ کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کردو، اغلبؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا صلہ ہے!! حضرت عمرؓ نے لبیدؓ کے اضافہ کے ساتھ اسکی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اُس زمانہ میں جسقدر اہل کمال تھے، مثلاً شعراء، خطباء، نسّاب، پہلوان، بہادر سب اُن کے دربار میں آئے اور اُن کی قدردانی کے مشکور ہوے اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کردیا تھا۔ اس واقعہ نے اُسکو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف سے نکل جاتا زن و مرد اسکے گرد جمع ہوجاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۷۔

مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رُلاتا جاتا حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمایش کی اُس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے،

وَکُنَّا کَنَدْمَانَیْ جَذِیْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَتَصَدَّعَا

ایک مدت تک ہم دونون جذیمۃ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے ندیمون کی طرح ساتھ رہے، یہان تک کہ لوگون نے کہا کہ اب جُدا نہونگے

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَمَالِکًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَعًا

پھر جب ہم دونون جُدا ہوگئے تو گویا۔ ایک رات بھی ہم دونون نے ساتھ بسر نہین کی تھی

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھکو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو مین اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا، اُس نے کہا "امیرالمومنین! اگر میرا بھائی آپکے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو مین ہرگز اُس کا ماتم نہ کرتا"، حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہین کی۔

اُسی زمانے مین ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساؓ تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جسمین مرثیون کے سوا اور کچھ نہین ہے، علماے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن مین آج تک خنسا کا مثل نہین پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو کعبہ مین روتے اور چیخنے دیکھا، پاس جاکر تعزیت و تسلّی کی اور جب اُسکے چار بیٹے جنگ قادسیہ مین شہید ہوئے تو چارون کی تنخواہین اُسکے نام جاری کردین،

پہلوانی اور بہادری مین دو شخص طلیحہ بن خالدؓ اور عمرو معدیکربؓ تمام عرب مین ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونون کو اپنے دربار مین بار دیا

اور قادسیہ کے معرکہ مین جب اُن کو بھیجا تو سعد وقاصؓ کو لکھا کہ مین دو ہزار سوار تمھاری مدد کو بھیجتا ہون، عمر معدیکربؓ پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر اُن سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ مین قبائل عرب اور اسلحۂ جنگ کی نسبت جو سوالات کیے اور عمر معدیکربؓ نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقرون مین جواب دیے اسکو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب مین تفصیل لکھا ہے

چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَخُوكَ وَرُبَّمَا خَانَكَ۔ یعنی "تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیجاتا ہے"

پھر تیرون کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرُدُ الْمَنَايَا تُخْطِئُ وَتُصِيبُ یعنی "موت کے قاصد ہین کبھی منزل تک پہنچتے ہین اور کبھی بہک جاتے ہین"

ڈھال کی نسبت کہا عَلَيْهِ تَدُوْرُ الدَّوَائِرُ اسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کیے جسکی تفصیل کا یہ محل نہین۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیون کو دربار خلافت مین جمع کر دیا اور حضرت عمرؓ نے اُن کی قابلیتون سے بڑے بڑے کام لیے،

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس ولحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہؓ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی راے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائین لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج مین سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات کے قرب وبعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلۂ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اسمین بھی

حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرتؐ سے نسب میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس و بنو نوفل پھر عبد العزیٰ۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے، تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحابؓ بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن اُن کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کے ازواج مطہراتؓ کی تنخواہیں بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہؓ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اُسامہ کو تجھ سے، اور اُسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی ابتداے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہراؓ کا انتقال ہو چکا۔ تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علیؓ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں ہے سے بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراھیۃ لمحضر عمر۔

حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ مین انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن اُنھون نے منظور نہین کیا۔ بیت المقدس گئے۔ تو کاروبار خلافت انھی کے ہاتھ مین دیکر گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو جو فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھین اُن کے عقد مین دیدیا چنانچہ اُسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق، عادات تواضع و سادگی

اُن کے اخلاق و عادات کے بیان مین، مؤرخون نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت، اُن کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرّہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی کی تصویر کا ایک رُخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجین بھیج رہے ہین، قیصر و کسریٰ کے سفیرون سے معاملہ پیش ہے، خالدؓ و امیر معاویہؓ سے باز پرس ہے، سعد وقاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عمرو بن العاصؓ کے نام احکام لکھے جارہے ہین۔ دوسرا رُخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤن مین پھٹی جوتیان ہین۔ پھراس حالت مین یا تو کاندھے پر مشک لیے جارہے ہین کہ بیوہ عورتون کے گھر پانی بھرنا ہے۔ یا مسجد کے گوشے مین فرشِ خاک پر لیٹے ہین اس لیے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہین اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے[1]۔

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہین رہا۔ جہان ٹھیرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اُسی کے سایہ مین پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ انکا روزانہ خانگی خرچ ۲ درہم تھا جس کے کم و بیش ۱۰ ؍ ہوتے ہین۔ ایک دفعہ احنف بن قیسؓ سامی عرب

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۳۷ باب الزہد۔

کے ساتھ ان کے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے اِدھر دوڑتے پھرتے ہین۔ احنف کو دیکھکر کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹ مین کتنے غریبون کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیرالمومنین! آپ کیون تکلیف اُٹھاتے ہین۔ کسی غلام کو حکم دیجیئے وہ ڈھونڈھ لائیگا۔ فرمایا۔ اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مِنِّی یعنی "مجھ سے بڑھکر کون غلام ہو سکتا ہے"

موطا امام محمدؒ مین روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچکر قضاے حاجت کے لیے سواری سے اُترے اسلمؓ اُن کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو بھول کر یا کسی مصلحت سے اسلم کے اونٹ پر سوار ہوگئے۔ اُدھر اہل شام استقبال کو آرہے تھے، جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگون کو تعجب ہوتا تھا اور آپس مین (حیرت سے) سرگوشیان کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی نگاہین شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہین (وہ یہان کہان ہے)

ایک دفعہ خطبہ مین کہا کہ "صاحبو! ایک زمانہ مین مین اسقدر نادار تھا کہ لوگون کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا وہ اُس کے صلے مین مجھکو چھوہارے دیتے تھے وہی کھاکر بسر کرتا تھا،" یہ کہکر منبر سے اُتر آئے لوگون کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت مین ذرا غرور آگیا تھا، یہ اسکی دوا تھی۔

۲۳ھ مین سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا، سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی گذرے ہین وہ بھی اس سفر مین شریک تھے

۔۔۔ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب ابطح مین پہونچے تو سنگریزے سمیٹ کر اسپر کپڑا ڈال دیا، اور اسکو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی۔ اور قوی کمزور ہو گئے۔ اب مجھکو دنیا سے اٹھا لے۔[1]

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے اُن کو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ انکی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ "اب قران پڑھو" محدث ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمرین مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے، ایک دفعہ سفر حج مین حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ہم سنون کے ساتھ چہل کرتے تھے اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے، حضرت عمرؓ صرف اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائین، لوگون نے رباح سے حدی گانے کی فرمایش کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رُکے لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ "بس ۔۔۔ خدا کے ذکر کا وقت ہے"،[2] ایک دفعہ سفر حج مین ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگون نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اسکو منع نہین کرتے فرمایا کہ "گانا، شتر سوارون کا زاد راہ ہے"۔[3] خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ سفر مین مین حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، ابو عبیدہؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۳۰۴ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۔۔۔ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۰

بھی ہمرکاب تھے، لوگون نے مجھ سے فرمایش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائین، چنانچہ مین نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے مین تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتون تک اس کا اثر نہین گیا۔

غزوۂ بدر مین آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھکو معلوم ہے کہ کافرون نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا، ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے، اس لیے اگر ابوالبختری یا عباس وغیرہ کہین نظر آئین تو اُن کو قتل نہ کرنا، ابو حذیفہ بول اُٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگذر نہین کرتے تو بنو ہاشم مین کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھکو ہاتھ آئین گے تو مین اُن کو تلوار کا مزہ چکھاؤنگا، آنحضرت کو اُن کی یہ گستاخی ناگوار گذری حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو حفص! (حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) دیکھتے ہو! عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے اور کہا "اجازت دیجیے کہ مین اس کا سر اُڑا دون"۔ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ اُن کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اُن سے کچھ مواخذہ نہین کیا۔

حاطب بن بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوۂ بدر مین شریک رہے تھے اُنھون نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرت صلعم کے پاس پہونچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجھکو اجازت دیجیے کہ اسکو قتل کر دون، آنحضرت صلعم نے فرمایا ابن الخطاب! تجھکو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ تم جو

---

[1] ازالۃ الخفاء بحوالۂ ابو عمر صفحہ ۲۰۸

چاہو کر دین سب معاف کر دون گا ذو الخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے گستاخ کہا محمد! عدل اختیار کرو، حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اُسکو قتل کر دین لیکن حضرتؐ نے منع کیا۔ ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر، خود مسلمانون کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا لیکن اسلام کی برکت، اور عمر کے انحطاط، اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہانتک کہ خلافت کے زمانے مین وہ کافرون کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہین کرتے۔

آل اولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہین، قرائن سے اسقدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو بالکل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتون کی جسقدر عزت کرنی چاہیے نہین کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس مین خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ ایام جاہلیت مین عورتون کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا اور اسمین عورتون کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہین تاہم ہم انکو معاملات مین بالکل دخل نہین دیتے تھے" اسی روایت مین ہے کہ ایک دفعہ انھون نے اپنی بیوی کو سخت کہا، اُنھون نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمھارا یہ رتبہ پہنچا وہ بولین کہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہؐ سے دوبدو ایسی باتین کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھین اُن کے بطن سے عاصم پیدا ہوے عاصم بھی صغیر سن ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے کسی وجہ سے اُن کو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا اور حضرت

عمر قبا سے جہان پہلے رہا کرتے تھے۔ اُٹھکر مدینے مین آگئے تھے۔ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے۔ عاصم، بچون کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمرؓ نے اُنکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی مان کو خبر ہوئی، وہ آن کر مزاحم ہوئین کہ میرا لڑکا ہے مین اپنے پاس رکھون گی" جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہان فریادی آئین حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اِس لیے وہ مجبور رہ گئے، یہ واقعہ موطا امام مالکؒ وغیرہ مین مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتون کے ساتھ اُن کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اور بزرگون کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی اُن کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی مین شہید ہوے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھکو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب اُن کی خدمت مین آیا تو فرمایش کی کہ "زید کا مرثیہ کہو۔ مجھکو تمھارا سا کہنا آتا تو مین خود کہتا"۔

حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے مین لکھ آئے، مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی مین آکر مقیم ہوے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے لیکن خلافت کے بعد غالباً وہان کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر مین آرہے۔ یہان جس مکان مین وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل، باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ مین واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچکر اُن کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے اسکو خریدا اور زر قیمت سے

قرض ادا کیا گیا اس لیے یہ مکان مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا[1]،

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا چنانچہ صحیح بخاری مین ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا اُنھون نے یہی عذر کیا کہ مین خرید و فروخت مین مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت کی خدمت مین کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھین قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ مین پہنچکر ابو بکرؓ و عمرؓ کو جاگیرین عطا کین، خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ مین شریک تھے تقسیم کر دیا،

جاگیر

حضرت عمرؓ کے حصے مین جو زمین آئی اُس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ دارون کے نام ایک کتاب مین قلمبند کرا دیے تھے، یہود بنی حارثہ سے بھی انکو ایک زمین ہاتھ آئی اور اُس کا نام بھی ثمغ تھا[2] لیکن انھون نے یہ دونون زمینین خدا کی راہ پر وقف کر دین خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف مین مذکور ہے، وقف مین جو شرطین کین یہ تھین، یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ ہبہ کی جائیگی۔ نہ وراثت مین منتقل ہو گی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقراء۔ ذوی القربیٰ، غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد اُنھون نے صحابہ کی خدمت مین مصارف ضروری کے لیے درخواست کی، اسپر حضرت علیؓ کی راے کے موافق اسقدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک

---

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹ و حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۲۴۲

[2] خلاصۃ الوفا لفظ ثمغ۔

اور لباس کے لیے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اسطرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعة میں یہ واقعہ بتصریح موجود ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کرلیا تھا، کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون۔ دودھ، ترکاری سرکہ۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جسمیں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایکدفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ وہ نہایت درجہ تقشف کو پسند کرتے تھے

اِس باب مین اُن کی راے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھون نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالون مین خوشبو تیل پڑا ہوا تھا حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مُو اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہین۔ آدمی کو نہ پراگندہ مُو رہنا چاہیے نہ ٹیپان جانی چاہیئن۔ حاصل یہ کہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرایش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ — حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گون قد نہایت لانبا یہانتک کہ سیکڑون ہزارون آدمیون کے مجمع مین کھڑے ہوتے تھے تو سب سے قد نکلا ہوا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت گھنی داڑھی مونچھین بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ مین جو جو نئی باتین ایجاد کین انکو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہین چنانچہ ہم اُنکے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہین کہ اول بآخر نسبتے دارد۔[1]

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتین قائم کین اور قاضی مقرر کیے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) والنٹیرون کی تنخواہین مقرر کین۔

[1] اسمین سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و تاریخ طبری مین یکجا مذکور ہین۔ باقی جستہ جستہ مختلف موقعون سے یکجا کیگئی ہین۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمایش جاری کی،

(۹) مردم شماری کرائی،

(۱۰) نہرین کھدوائین،

(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل،

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبون مین تقسیم کیا۔

(۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اسکی تفصیل صیغہ محاصل مین گذر چکی ہے)

(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیئے۔

(۱۵) حربی تاجرون کو ملک مین آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔

(۱۷) دُرّہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتون کو گشت کرکے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیان قائم کین۔

(۲۱) گھوڑون کی نسل مین اصیل او رجنس کی تمیز قائم کی جو اسوقت تک عرب مین نہ تھی،

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کیئے۔

(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافرون کے آرام کے لیے مکانات بنوائے،

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچون کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔

(۲۵) مختلف شہرون مین مہمان خانے تعمیر کرائے،

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہون) غلام نہین بنائے جا سکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیون اور یہودیون کے روزینے مقرر کیے۔

(۲۸) مکاتب قائم کیے۔

(۲۹) معلمون اور مدرسون کے مشاہرے مقرر کیے۔

(۳۰) حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا

(۳۱) **قیاس** کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض مین عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان مین الصلوۃ خیر من النوم اضافہ کیا چنانچہ مؤطا امام مالک مین اسکی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

(۳۵) تین طلاقون کو جو ایک ساتھ دیجائین طلاق باین قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیون پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ مین چار تکبیرون پر تمام لوگون کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد مین وعظ کا طریقہ قائم کیا انکی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام مین پہلا وعظ تھا

(۴۲) اماموں اور موذنون کی تنخواہین مقرر کین۔

(۴۳) مساجد مین راتون کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار مین عورتون کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب مین مدتون سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہین۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہین

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام مین متعدد نکاح کیے، پہلا نکاح عثمان بن مظعون رضؓ کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون رضؓ سابقین صحابہ مین سے تھے، یعنی اسلام لانیوالون مین انکا چودھوان نمبر تھا۔ ۲ھ مین وفات پائی اور جناب رسول اللہؐ کو ان کی وفات کا اسقدر صدمہ ہوا کہ آپ اُنکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ مین سے تھے۔ زینب مسلمان ہوکر مکہ معظمہ مین مرین۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہؓ انہی کے بطن سے ہین،

ازواج دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی تھین جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہ کی بہن تھین، چونکہ یہ اسلام نہین لائین اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہین اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ مین اُن کو طلاق دیدی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھین، انکو ام کلثوم بھی کہتے ہین، یہ بھی اسلام نہین لائین

اور اسوجہ سے سنہ ۵ھ مین ان کو بھی طلاق دیدی۔ عبداللہ انہی کی بطن سے ہین۔
زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھین مدینہ منورہ
مین آکر انصار مین قرابت پیدا کی یعنی سنہ ۷ھ مین عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز
انصاری تھے اور غزوہ بدر مین شریک رہے تھے، اُن کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا جمیلہ کا نام پہلے
عاصیہ تھا جب وہ اسلام لائین تو آنحضرت نے بدلکر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن اُن کو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔
اخیر عمر مین اُن کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرین جو مزید شرف اور برکت کا سبب
تھا چنانچہ جناب امیرؓ سے حضرت ام کلثومؓ[۱] کے لیے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی
صغر سنی کے سبب سے انکار کیا لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھکو
حصول شرف مقصود ہے، تو جناب امیرؓ نے منظور فرمایا اور سنہ ۱۷ھ مین ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔

۱؎ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخون نے تفصیل لکھا ہے، علامہ طبری نے تاریخ کبیر مین، ابن حبان نے کتاب الثقات مین، ابن قتیبہ نے معارف مین، ابن اثیر نے کامل مین تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا، حضرت عمر کی زوجہ تھین ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھین لیکن ان دونون مورخون نے صاف تفریق کی ہے، علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحین خود میری نظر سے گذری ہین اور اُن سے بڑھکر تاریخی واقعات کیلیے اور کیا سند ہوسکتی ہے وہ خاص عبارتین اس موقع پر نقل کرتا ہون۔ ثقات بن حبان ذکر خلافة عمر، واقعات سنہ ۱۷ھ مین ہے ثم تزوج عمر ام كلثوم بنت علي بن ابي طالب وهي من فاطمة ودخل بها في شهر ذي القعدة معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر مین ہے وفاطمة وزيد وامهما ام كلثوم بنت علي بن ابي طالب من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر مین جہان حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ اُن کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے اسیطرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے جسکو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہین سب سے بڑھکر یہ کہ صحیح بخاری مین ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عورتون کو چادرین تقسیم کین۔ ایک بچ رہی۔ اسکی نسبت اُنکو تردد تھا کہ کسکو دیجائے ایک شخص نے اُن سے مخاطب ہوکر کہا يا امير المؤمنين اعط هذا بنت رسول الله صلعم التي عندك يريدون ام كلثوم۔ (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اسمین صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھین خاندان نبوت سے تھین۔

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی فکیہہ یمنیہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمرؓ کی چچیری بہن تھیں انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہؓ سے ہوا تھا، اور چونکہ عاتکہؓ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے، عبداللہ غزوۂ طائف میں شہید ہو گئے، عاتکہ نے انکا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے

فآليت لا تنفك عيني حزينة   عليك ولا ينفك جلدي أغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ   تیرے اوپر غمگین رہیگی، اور بدن خاک آلودہ رہیگا،

حضرت عمرؓ نے ۱۲ھ میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی جنمیں سے حضرت حفصہؓ اس لیے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے خنیس جب غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئیں، ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے انسے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں، عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمن، زید، مجیر، انمیں سابق الذکر زیادہ نامور ہیں،

عبداللہ بن عمر

حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں بخاری و مسلم میں اُن کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمرؓ کیساتھ مکہ میں اسلام لائے، اور اکثر غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرة الحفاظ میں، اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے انکے

علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا عین اسی حالت میں ابن عمر نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا" اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے اُن کو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اُسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دیدیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہؓ سے آکر کہا کہ "تمام مسلمان آپکی خلافت پر راضی ہیں، آپ آمادہ ہو جیے تو ہم لوگ آپکے ہاتھ پر بیعت کرلیں" انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔ حضرت عبداللہؓ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہا میں محسوب ہیں جنپر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جنکے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنیکا مجاز نہ تھا، سالم کے علاوہ باقی چھ فقہا کے یہ نام ہیں۔ خارجہ بن زید۔ عروہ بن الزبیر۔ سلیمان بن یسار۔ عبیداللہ بن عبداللہ۔ سعید بن المسیب۔ قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں یعنی اول وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع۔ عبداللہ بن عمر ہوں دوسری وہ حدیث جسکے سلسلہ میں زہری سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں عبداللہ اُن کے بیٹے اور سالم

اور نافع غلام تھے۔ حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی مین مشہور [illegible]ے بیٹے عاصمؓ نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے، سٰـہ مین جب اُنھون نے [illegible]ت عبد اللہ بن عمرؓ نے اُن کا مرثیہ لکھا۔ جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فلیت المنایا کُنّ خلفن عاصماً ۔ فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً

کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی ۔ تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لے جاتا تو سب کو لے جاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور خوب شعر کہتے تھے۔ چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہین جو مقصود نہین ہوتے۔ لیکن عاصم اِس سے مستثنیٰ ہین۔ حضرت عمر بن عبد العزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مین حضرت عمرؓ کے پوتون پڑپوتون اور نواسون کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہین۔

خاتمہ

لیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد مین سما جائے

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات، تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا مین اور جسقدر بڑے بڑے نامور گذرے ہین، اُن کی مفصل سوانح عمریان پہلے سے موجود ہین، یہ دونون چیزین اب تمھارے سامنے ہین اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا مین حضرت عمرؓ کا کوئی ہمپایہ گذرا ہے یا نہین؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہین کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہین، اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے، ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا، سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا، بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتین بھی ایک شخص مین مشکل سے جمع ہوتی ہین۔ بہت سے نامور گذرے ہین جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونون کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور اُن کی مختلف حیثیتون پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا

کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیروان بھی، امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی،

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا مین جسقدر حکمران گذرے ہین ہر ایک کی حکومت کی تہ مین کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہان تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رُک گئین یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتون کا سہارا لیکر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے مین ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت وشان برامکہ کے دم سے تھی، لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست وبازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب وغریب معرکہ آرائیون کو دیکھکر لوگون کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح وظفر کی کلید انہی کے ہات مین ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے اُن کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہوا کہ کل مین سے کون سا پُرزہ نکل گیا ہے، سعد وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگون کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جون بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہین کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگون سے کام لیتے تھے اُن مین سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہان سے چاہا نکال لیا اور جہان چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر لیے۔

دنیا مین کوئی ایسا حکمران نہین گذرا جسکو ملکی ضرورتون کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیروان کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے، لیکن اُس کا دامن بھی اِس داغ سے پاک نہین۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہین مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک مین پیدا ہوئے، وہان مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہین قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزون کے نام سے آشنا نہ تھی، خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہین دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹون کے چرانے مین گذرا تھا، ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغۂ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور اُن کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہوسکتا تھا؟۔

تمام دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص مین دس دس پیوند لگے ہون، کاندھے پر مشک رکھکر غریب عورتون کے ہان پانی بھرآتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازارون مین پڑا پھرتا ہو۔ جہان جاتا ہو جریدہ

و تنہا چلا جاتا ہو، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو، در و دربار نقیب
و چاؤش حشم و خدم کے نام سے آشنا نہو، اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اُسکے
نام سے لرزتے ہوں اور جسطرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو، سکندر و تیمور تیس تیس ہزار
فوج رکاب میں لیکر نکلتے تھے جب اُن کا رعب قائم ہوتا تھا عمر فاروقؓ کے سفر شام
میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا
کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا
تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبد اللہ بن عباسؓ، زید بن
ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ ان کے مسائل اور اجتہادات کا
حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو، صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئیگا۔

زمانۂ ما بعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین ائمۂ فن
پیدا ہوے مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی، رازی، لیکن انصاف سے دیکھو
حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اُسپر کچھ اضافہ ہو سکا ہے؟ مسئلۂ قضا و قدر،
تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا، احادیث کا درجۂ اعتبار،
خبر آحاد کی قابلیت احتجاج، احکام خمس و غنیمت، یہ مسائل شروع اسلام سے آجتک معرکہ آرا
رہے ہیں اور ائمۂ فن نے اُن کے متعلق ذہانت اور دماغی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ہے
لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جسطرح حل کیا تھا تحقیق

کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمۂ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیا کے سوا اور کون شخص اُنکا ہمپایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت۔ تواضع و انکسار۔ خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی۔ صبر و رضا، شکر و توکل۔ یہ اوصاف اُن مین جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان ابراہیم ادہمؒ۔ ابوبکر شبلیؒ، معروف کرخیؒ مین اس سے بڑھکر پائے جا سکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمرؓ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اُسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہین۔ وہ تحریر فرماتے ہین۔

سینۂ فاروق اعظمؓ را بمنزلہ خانۂ تصور کن کہ درہاے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ، در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین با آنہمہ سلیقۂ ملک گیری و جہان ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء، و در دیگر نوشیروانے باآن ہمہ رفق و لین و رعیت پروری و

دادگستری (اگرچہ ذکرِ نوشیروان در مبحث فضائلِ حضرت فاروقؓ سوءِ ادب ست) و در دیرے دیگر امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکؒ بآن ہمہ قیام بعلم فتویٰ و احکام و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاءالدین و در دیرے دیگر محدثے بوزنِ ابوہریرہؓ و ابن عمرؓ و در دیرے دیگر حکیمے مانند مولانا جلال رومی یا شیخ فریدالدین عطار، و مردمان گرداگرد این حجرہ ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب درخواست می نماید و کامیاب می گردد"

شبلی نعمانی
مقام کشمیر

۵ جولائی ۰۸ء